مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

جدید تعلیم یافتہ حضرات وخواتین کے لیے دینی علوم کے حصول کا نادر موقع

جاری کردہ: ڈاکٹر اسرار احمدؒ

رجوع الی القرآن کورس

(دورانیہ ۹ ماہ)

مضامینِ تدریس

عرصہ 40 سال سے باقاعدگی سے جاری تعلیمی سلسلہ

پارٹ ۱ (سالِ اوّل) برائے مرد و خواتین

- تجوید و ناظرہ
- عربی گرامر (صرف ونحو)
- ترجمہ قرآن (مع تفسیری ولُغوی توضیحات)
- دورۂ ترجمہ قرآن
- قرآن حکیم کی فکری و عملی رہنمائی
- سیرت وشمائل النبی ﷺ
- مطالعۂ حدیث واصطلاحاتِ حدیث
- فکرِ اقبال
- فقہ العبادات
- معاشیاتِ اسلام
- اضافی محاضرات

پارٹ ۲ (سالِ دوم) برائے مرد حضرات

- عربی زبان وادب
- اصولِ تفسیر
- تفسیر القرآن
- اصولِ حدیث
- درسِ حدیث
- اصول الفقہ
- فقہ المعاملات
- عقیدہ (طحاویہ)
- اضافی محاضرات

☆ رجسٹریشن جاری ہے ☆ انٹرویو یکم ستمبر

آغاز 5 ستمبر 2022ء (اِن شاءاللہ)

ایامِ تدریس پیر تا جمعہ

نوٹ: بیرونِ لاہور رہائشی حضرات کے لیے ہاسٹل کی محدود سہولت موجود ہے۔
لہٰذا خواہشمند حضرات پہلے سے اپنی رجسٹریشن کروالیں۔

اوقاتِ تدریس:
صبح 8 بجے تا 12:30

ڈاکٹر اسرار احمدؒ کی خدماتِ قرآنی کا مرکز —— قرآن اکیڈمی

36-K ماڈل ٹاؤن لاہور
email:irts@tanzeem.org
www.tanzeem.org

زیرِ انتظام
مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور (رجسٹرڈ)

مزید تفصیلات کے لئے www.tanzeem.org
03161466611 - 04235869501-3

محرم الحرام ۱۴۴۴ھ
اگست ۲۰۲۲ء

ماہنامہ میثاق لاہور

یکے از مطبوعات
تنظیمِ اسلامی

بانی: ڈاکٹر اسرار احمدؒ

- اللہ اور اُس کے رسول ﷺ سے جنگ کا نتیجہ
- حزب اللہ کا ایک اہم وصف: رُحَمَآءُ بَیْنَهُمْ
- فتنۂ دجال اور پیش آمدہ چیلنجز

وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيْثَاقَهُ الَّذِيْ وَاثَقَكُمْ بِهٖٓ ۙ اِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ۡ (المائدۃ: ۷)

ترجمہ: اور اپنے اوپر اللہ کے فضل اور اس کے میثاق کو یاد رکھو جو اس نے تم سے لیا جبکہ تم نے اقرار کیا کہ ہم نے مانا اور اطاعت کی!

ماہنامہ میثاق لاہور

اجرائے ثانی

ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ

جلد : 71

شمارہ : 8

محرم الحرام 1444ھ

اگست 2022ء

فی شمارہ : 40 روپے

سالانہ زرِ تعاون: 400 روپے

مُدیر

حافظ عاکف سعید

مجلس ادارت:

ایوب بیگ مرزا' خورشید انجم

نائب مُدیر

حافظ خالد محمود خضر

ادارتی معاون:

حافظ محمد زاہد' محمد خلیق

مکتبہ خدام القرآن لاہور

مقام اشاعت: 36۔ کے ماڈل ٹاؤن' لاہور 54700 ' فون: 3-35869501

فیکس: 35834000' ای میل: maktaba@tanzeem.org

ترسیل زر: مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

رابطہ برائے ادارتی امور: (042)38939321

publications@tanzeem.org

ویب سائٹ: www.tanzeem.org

مرکزی دفتر تنظیم اسلامی: "دارُالاسلام" ملتان روڈ چوہنگ لاہور

(پوسٹل کوڈ 53800) فون: 78-(042)35473375

پبلشر: ناظم مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

طابع: رشید احمد چوہدری مطبع: مکتبہ جدید پریس (پرائیویٹ) لمیٹڈ

مشمولات

عرضِ احوال —— 5

اللہ اور اُس کے رسول ﷺ سے جنگ کا نتیجہ — ادارہ

بیانُ القُرآن —— 11

سورۃ التغابن (مکمل) — ڈاکٹر اسرار احمدؒ

تعمیرِ سیرت —— 33

رُحَمَآءُ بَیۡنَہُمۡ — ڈاکٹر محمد الیاس

تذکیر و موعظت —— 50

اہلِ خانہ کے ساتھ جنّت میں — سعادت محمود

الدِّینُ النَّصِیحَۃ —— 55

وَالَّذِیۡنَ جَاھَدُوۡا فِیۡنَا — مُلّا ہبت اللہ اخوندزادہ

دیدن دگر آموز —— 67

فضائی سفر کی باطنی کیفیات — عبدالرؤف

معرکہ روح و بدن —— 73

فتنۂ دجّال اور پیش آمدہ چیلنجز (۳) — آصف حمید

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اللہ اور اُس کے رسول ﷺ سے جنگ کا نتیجہ

وطن عزیز اس وقت بدترین سیاسی اور معاشی بحران‘ بلکہ تباہ کن صورتِ حال کا شکار ہے۔ سیاسی سطح پر بیرونی اور اندرونی غیر ضروری مداخلت نے ملک کو سیاسی دیوالیہ پن کا شکار کر دیا ہے اور معاشی سطح پر ہم آئی ایم ایف کے رحم وکرم پر ہیں۔ اگر وہ کچھ روک لے تو ہم معاشی طور پر دیوالیہ ہو جائیں گے اور اگر کچھ دے دے تو تھوڑی دیر سانس لے سکیں گے‘ لیکن پھندا مزید کس جائے گا جو آنے والے وقت میں ہماری آزادی‘ قومی خود مختاری اور سلامتی کا گلہ گھونٹ دے گا۔

آج وطن عزیز اس حالت کو کیونکر پہنچا اور کس نے پہنچایا؟ اس کی مختلف وجوہات اور پہلو مختلف لوگ گنوا رہے ہیں‘ لیکن حقیقت کی نظر سے دیکھا جائے تو یہ اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کے ساتھ جنگ کا نتیجہ ہے جو دانستہ ہمارے حکمرانوں نے شروع کر رکھی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہمارے حکمرانوں کو بار بار موقع دیا کہ وہ اس جنگ کو ختم کر دیں‘ لیکن حکمرانوں نے ہر بار اس جنگ کو پہلے سے زیادہ ہٹ دھرمی کے ساتھ جاری رکھا۔ جیسے جیسے یہ اس جنگ میں آگے بڑھتے گئے‘ ملک اسی قدر معاشی شکنجے اور سیاسی بحرانوں میں گھرتا چلا گیا۔ ذیل میں حقائق اور اعداد وشمار کی روشنی میں اس جنگ کے نقصانات کا جائزہ لیتے ہیں۔

یہ ایک اٹل حقیقت ہے جس کا انکار ممکن نہیں کہ پاکستان اسلام کے نام اور کلمہ طیبہ کے اعلان واقرار پر وجود میں آیا تھا۔ لاکھوں جانوں کی قربانی اور ہزاروں عصمتیں لٹوانے کے بعد قائم ہونے والے ملک میں اسلامی شریعت کے علاوہ کسی دوسرے قانون کی بالادستی نہ عقلاً قابلِ فہم تھی اور نہ شرعاً قابلِ قبول تھی۔ یہی وجہ ہے کہ قائداعظم کا پاکستان کے لیے ایک اسلامی فلاحی مملکت کا ویژن اُن کے سینکڑوں خطابات سے واضح ہو جاتا ہے۔ ۱۹۴۸ء میں سٹیٹ بینک آف پاکستان کی افتتاحی تقریب سے خطاب کرتے ہوئے قائد کا یہ بیان تاریخی ریکارڈ کا حصہ ہے جس میں انہوں نے فرمایا تھا:

’’مغرب کے معاشی نظام نے انسانیت کے لیے تقریباً ناقابلِ حل مسائل پیدا کر دیے ہیں اور ہم میں سے بہت سے لوگوں کے لیے ایسا لگتا ہے کہ صرف ایک معجزہ ہی اسے اس تباہی سے بچا سکتا ہے جس کا دنیا کو سامنا ہے۔ ہمیں دنیا کے سامنے ایک ایسا معاشی نظام پیش کرنا چاہیے جس کی بنیاد اسلامی مساوات اور سماجی انصاف کے حقیقی اسلامی تصور پر ہو۔‘‘

پاکستان کے مرکزی مالیاتی ادارے کا سنگِ بنیاد رکھتے ہوئے اس اصولی موقف کا اظہار اس امر کا غماز ہے کہ اسلامی جمہوریہ پاکستان کی آئینی تاریخ اور سود کی حرمت کا مسئلہ بالکل آغاز ہی سے پہلو بہ پہلو رہا ہے۔ ۱۹۵۶ء کے آئین اور ۱۹۶۲ء میں تشکیل پائے جانے والے آئین دونوں میں صاف اور غیر مبہم طور پر یہ بات درج تھی کہ حکومتِ پاکستان نظامِ معیشت سے سود کی لعنت کو ختم کرنے کے لیے بھرپور کوشش کرے گی۔ اس کے بعد ۱۹۷۳ء کے آئین جسے ہماری تاریخ کا متفقہ آئین اور دستور مانا جاتا ہے‘ کی شق ۲۲۷ میں یہ طے کیا گیا کہ پاکستان میں کوئی بھی قانون قرآن وسُنّت کے مخالف نہیں بنایا جائے گا اور عملاً اس کا باقاعدہ نظام وضع کرنے کی غرض سے اسی آئین کی دفعات ۲۲۸ تا ۲۳۰ کے تحت اسلامی نظریاتی کونسل کے نام سے ایک آئینی ادارہ بھی تشکیل دیا گیا۔ ۳ دسمبر ۱۹۶۹ء کو اسلامی نظریاتی کونسل نے اپنی آئینی ذمہ داری ادا کرتے ہوئے اپنی ایک رپورٹ میں اتفاقِ رائے سے اس امر کا اظہار کیا کہ ’’ربا‘‘ اپنی ہر صورت میں حرام ہے اور شرحِ سود کی کمی بیشی سود کی حرمت پر اثر انداز نہیں ہوتی۔ مزید یہ کہ موجودہ بینکاری نظام کے تحت افراد‘ اداروں اور حکومتوں کے درمیان قرضوں اور کاروباری لین دین میں اصل رقم پر جو اضافہ یا بڑھوتری لی یا دی جاتی ہے‘ سیونگ سرٹیفکیٹ میں جو اضافہ دیا جاتا ہے‘ پراویڈنٹ فنڈ اور پوسٹل بیمہ زندگی وغیرہ میں جو سود دیا جاتا ہے‘ اور اس کے ساتھ ساتھ صوبوں‘ مقامی اداروں اور سرکاری ملازمین کو دیے گئے قرضوں پر اضافہ بھی سود ہی کی ایک قسم ہے‘ لہٰذا یہ تمام صورتیں حرام اور ممنوع ہیں۔

کونسل کی مذکورہ بالا رپورٹ کے آٹھ سال بعد ۲۹ ستمبر ۱۹۷۷ء کو صدرِ پاکستان جنرل محمد ضیاء الحق نے کونسل کو ہدایت کی کہ کونسل ضروری تحقیق اور تفتیش کے بعد ایسے طریقے بھی تجویز کرے جن کو اپنا کر سود جیسی لعنت کا خاتمہ کیا جا سکے۔ چنانچہ کونسل نے بینک ماہرین‘ ماہرین اقتصادیات اور علماء سے طویل مشاورت اور عالمی سطح پر اس مسئلے کی پیچیدگیوں کے گہرے مطالعے کے بعد ۲۵ جون ۱۹۸۰ء کو اپنی رپورٹ صدرِ پاکستان کے سامنے پیش کر دی۔ اس رپورٹ میں

سود کو ختم کر کے اس کے متبادل نظام کی جملہ تفصیلات درج تھیں اور کہا گیا تھا کہ ان تجاویز پر عمل درآمد سے دو سال کے اندر اندر پاکستان کی معیشت سود سے مکمل طور پر پاک ہوسکتی ہے۔

گویا ۱۹۸۰ء تک اللہ تعالیٰ نے پاکستانی حکمرانوں کو بھرپور موقع فراہم کر دیا تھا کہ وہ سود کی لعنت سے پاک معاشی نظام کو پاکستان میں رائج کر دیں۔ اُس وقت تک ملک معاشی طور پر بالکل آزاد تھا اور کوئی بیرونی قوت معاشی ہتھکنڈوں کے ذریعے پاکستان کی پالیسی اور آزادی پر اثر انداز نہیں ہوسکتی تھی۔ لیکن اس کے بعد دانستہ ہماری افسر شاہی اور اشرافیہ نے اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کے ساتھ جنگ کا باقاعدہ اعلان کر دیا۔ چنانچہ اسلامی نظریاتی کونسل نے ایک revised report تیار کی جس میں ان الفاظ میں تنبیہہ اور اظہارِ افسوس کیا گیا کہ ”کونسل نے ۸۱-۱۹۸۰ء میں کیے جانے والے ان اقدامات کا جائزہ لیا جو حکومت نے اسلامی نظامِ معیشت کے نفاذ کے سلسلے میں انجام دیے ہیں‘ ان میں خاتمہ سود کے لیے کیے جانے والے حکومتی اقدامات‘ ان سفارشات کے بالکل برعکس ہیں جو کونسل نے تجویز کیے اور حکومت نے وہ طریقہ اختیار کیا جو مقصد کو فوت کرنے کا سبب بن گیا۔“ گویا حکمرانوں کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے جنگ ختم کرنے کا جو موقع ملا تھا اس سے فائدہ اٹھانے کے بجائے حکمرانوں نے اس جنگ کو دانستہ جاری رکھنے کا اعلان کر دیا اور اسلامی نظریاتی کونسل کی سفارشات پر عمل درآمد کی بجائے آئی ایم ایف سے گٹھ جوڑ کو ترجیح دی۔ اس کے نتیجہ میں پاکستان پر معاشی شکنجہ بھی کسا جانے لگا۔

۱۹۸۸ء سے پہلے پاکستان اور آئی ایم ایف کے مابین ہونے والے معاہدے قلیل مدتی بنیادوں پر ہوتے تھے جن میں عمومی طور پر قرض معاشی اصلاحات سے مشروط نہیں ہوتے تھے‘ تاہم ۱۹۸۸ء کے بعد اسٹرکچرل ایڈجسٹمنٹ پروگرامز شروع ہو گئے جس کے تحت بے نظیر بھٹو نے ۹۱ کروڑ ڈالر کا قرضہ لیا۔ اسٹرکچرل ایڈجسٹمنٹ پروگرامز (SAP) وہ ہوتے ہیں جن میں قرض دینے والا ادارہ شدید معاشی مشکلات کے شکار قرض حاصل کرنے والے ممالک کو مخصوص شرائط کے تحت نیا قرض دیتا ہے۔

حکمرانوں کی ان سرکشیوں کے باوجود اللہ تعالیٰ نے مملکتِ خداداد پاکستان کو ایک موقع اور دیا۔ ۱۹۹۰ء میں ایک پاکستانی محمود الرحمٰن فیصل نے وفاقی شرعی عدالت میں پٹیشن داخل کی اور عدالت سے استدعا کی کہ رائج الوقت سودی نظامِ معیشت کو غیر اسلامی قرار دے کر اس پر پابندی

عائد کی جائے اور حکومتِ وقت کو ہدایت کی جائے کہ پاکستان کے معاشی نظام سے سود جیسی لعنت کا خاتمہ کیا جائے۔ وفاقی شرعی عدالت نے اس کیس اور اسی سے ملتے جلتے ۱۱۴ دیگر کیسز کی مشترک سماعت کی اور اکتوبر ۱۹۹۱ء میں اپنا تاریخی فیصلہ سنایا جس میں بینکنگ سمیت تمام سودی لین دین کو حرام قرار دیا گیا اور وفاقی حکومت اور تمام صوبوں سے بھی کہا گیا کہ وہ ۳۰ جون ۱۹۹۲ء تک متعلقہ قوانین میں تبدیلی کر لیں اور یہ بھی کہ یکم جولائی ۱۹۹۲ء سے تمام سودی قوانین غیر آئینی ہو جائیں گے اور تمام سودی کاروبار غیر اسلامی ہونے کی بنا پر ممنوع قرار پائیں گے۔

وفاقی شرعی عدالت کے مذکورہ بالا فیصلے کو عوامی سطح پر زبردست پذیرائی ملی اور یہ امید پیدا ہوگئی کہ شاید پاکستان کے قیام کے ۴۵ سال بعد اب ہمارا معاشی قبلہ درست ہو جائے گا اور عوام کو سود جیسے استحصالی اور ظالمانہ ہتھکنڈے سے نجات مل جائے گی۔ لیکن ۳۰ جون کے آنے سے پہلے ہی نواز شریف حکومت کی پشت پناہی میں نہ صرف مالیاتی اداروں‘ بینکوں اور بعض افراد نے سپریم کورٹ کے شریعت اپیلیٹ بینچ میں وفاقی شرعی عدالت کے فیصلے کے خلاف اپیلیں دائر کر دیں بلکہ نواز شریف نے IMF سے ۱ء۵۹ ارب ڈالر کا مزید معاہدہ بھی کر لیا۔ نواز شریف کو تو اس کی فوری سزا مل گئی کہ جولائی ۱۹۹۳ء میں استعفاء دے کر اقتدار چھوڑنا پڑا۔ لیکن اس کے بعد آنے والی بے نظیر حکومت نے بھی اس سے کوئی عبرت حاصل نہ کی اور IMF سے اسی پروگرام کے تحت دو ارب ڈالر کا مزید قرضہ لے لیا۔ دوسری طرف سود کے فیصلے کے خلاف اپیلیں بھی اللہ اور اُس کے رسول ﷺ سے جنگ کے خاتمے میں رکاوٹ بن گئیں۔

اللہ تعالیٰ نے مملکتِ خداداد پاکستان کو تیسرا موقع فراہم کیا اور بالآخر ۱۹۹۹ء کے اوائل میں سپریم کورٹ آف پاکستان میں ایک شریعت اپیلیٹ بینچ تشکیل دیا گیا جس نے وفاقی شرعی عدالت کے فیصلے کو عمومی طور پر درست قرار دیتے ہوئے جدید بینکاری سمیت تمام دیگر سودی قوانین کو اسلام کی تعلیمات کی روشنی میں ممنوع اور حرام قرار دے دیا اور حکومتِ وقت کو مزید مہلت دیتے ہوئے ہدایت جاری کی کہ وہ جون ۲۰۰۱ء تک تمام غیر اسلامی قوانین کو نئے قوانین سے بدل کر بینکنگ سمیت دیگر معاشی معاملات کو سود سے پاک کر دیں۔ لیکن حکمرانوں نے تیسری بار بھی مہلت سے فائدہ اٹھانے کی بجائے اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کے ساتھ جنگ جاری رکھنے کا اعلان کر دیا۔ چنانچہ جون ۲۰۰۱ء آنے سے پہلے پرویز مشرف حکومت نے ایک

درخواست شریعت بینچ کے سامنے دائر کی جس میں سودی نظام کو ختم کرنے کے لیے مزید دو سال کی مہلت مانگی گئی۔ حقیقت میں مقصود مہلت مانگنا نہیں تھا‘ بلکہ جنگ کو جاری رکھنے کا جواز حاصل کرنا تھا۔ تاہم بینچ نے اس عرضی کی بنیاد پر دو سال کی بجائے ایک سال کی مہلت دی اور ہدایت کی کہ جون ۲۰۰۲ء تک مطلوبہ آئینی وانتظامی اقدامات مکمل کر لیے جائیں۔ جب عدالت کی دی ہوئی مہلت ختم ہونے کو آئی تو پرائیویٹ بینک UBL کی جانب سے نظر ثانی کی ایک اور درخواست عدالت میں داخل کی گئی‘ لیکن پھر PCO پر حلف نہ اُٹھانے کی سزا کے طور پر اپیلیٹ بینچ کے ممبران کو ہی فارغ کر دیا گیا اور نئے تشکیل دیے گئے بینچ نے ۲۴ جون ۲۰۰۲ء کو اپنا فیصلہ سناتے ہوئے شریعت اپیلیٹ بینچ کا ۲۳ دسمبر ۱۹۹۹ء کا فیصلہ اور وفاقی شرعی عدالت کا ۱۴ نومبر ۱۹۹۱ء کا فیصلہ بیک جنبش قلم منسوخ کر دیا اور مقدمے کو از سرِ نو سماعت کے لیے دوبارہ وفاقی شرعی عدالت میں بھیجنے کے احکامات صادر کر دیے۔ اس طرح گویا اللہ تعالیٰ کی طرف سے دیے گئے تین مواقع کو ٹھوکر مار کر اللہ اور اُس کے رسول ﷺ سے جنگ جاری رکھنے کا اعلانِ بغاوت سرعام کیا گیا اور اس کے ساتھ ساتھ پرویز مشرف نے ۲۰۰۱ء تک آئی ایم ایف سے دو ارب ڈالر کے قرضے مزید لیے۔ پھر مشرف کے ہی جانشین آصف علی زرداری نے ۲۰۰۸ء میں سات ارب ڈالر کے قرضے مزید لیے۔ گویا اب کھل کر اور بڑے پیمانے پر اللہ اور اُس کے رسول ﷺ سے جنگ شروع ہو چکی تھی۔

اللہ تعالیٰ اسلام کے نام پر بننے والے ملک کو باقی رکھنا چاہتا تھا‘ اس لیے ایک چوتھا موقع پھر دے دیا کہ ۴/اگست ۲۰۱۲ء کو تنظیم اسلامی کی طرف سے ایک درخواست بعنوان Application to fix for hearing فیڈرل شریعت کورٹ میں داخل کی گئی جس میں انسدادِ سود کی سابقہ کوششوں اور سپریم کورٹ آف پاکستان کے ۱۹۹۹ء اور ۲۰۰۲ء کے فیصلوں کو بنیاد بناتے ہوئے یہ استدعا کی گئی کہ انسدادِ سود کے کیس کو سماعت کے لیے مقرر کیا جائے۔ لیکن وفاقی شرعی عدالت کی جانب سے ۱۷/اگست ۲۰۱۲ء کو یہ جواب موصول ہوا کہ چونکہ درخواست گزار متذکرہ بالا کیس میں پارٹی نہیں ہے اور یہ درخواست فیڈرل شریعت کورٹ کے Procedure 1981 کے مطابق نہیں اس لیے یہ درخواست رد کی جاتی ہے۔ اس جواب کے موصول ہونے پر ۲۸ جولائی ۲۰۱۳ء کو تنظیم اسلامی کی جانب سے ایک دوسری درخواست

بعنوان Petition under article 203-D of the Constitution of Pakistan 1973 دائر کی گئی‘ جس میں پاکستان کے آئینی تشخص اور ریاستِ پاکستان کی آئینی ذمہ داریوں کو سامنے رکھتے ہوئے یہ استدعا کی گئی تھی کہ معزز عدالت اسلامی جمہوریہ پاکستان سے سود کے خاتمے کے لیے حکومت کو ہدایت جاری کرے۔ ۲۶ ستمبر ۲۰۱۳ء کو یہ پٹیشن برائے سماعت قبول کر لی گئی اور اس جیسی دوسری متعدد درخواستوں کو یکجا کرتے ہوئے مشترکہ طور پر تمام کیسز سننے کا عندیہ ظاہر کیا گیا۔ اس دوران ۱۴ سوالات کے جوابات بھی داخل کیے گئے۔ مزید برآں‘ امیر تنظیم اسلامی کی قیادت میں ۳۰ مارچ ۲۰۱۵ء کو سپریم کورٹ میں ایک اور کیس داخل کیا گیا جس میں درخواست کی گئی کہ معزز عدالت آئین کے آرٹیکل 38-F کے تحت ملک سے ربا کو ختم کرنے کی ہدایت جاری کرے تاکہ ملک کو اللہ کے غضب سے بچایا جا سکے۔ اس دوران ۹ مئی ۲۰۱۵ء کو رجسٹرار آفس سے یہ جواب موصول ہوا کہ متعدد وجوہات کی بنا پر یہ درخواست مسترد کر دی گئی ہے‘ لہٰذا یہ قابل سماعت نہیں۔ یعنی افسر شاہی کسی صورت اللہ سے جنگ ختم کرنے کو تیار نہیں تھی۔ چنانچہ ۲۳ مئی ۲۰۱۵ء کو ایک Civil Miscellaneous اپیل داخل کی گئی جس میں یہ تقاضا کیا گیا تھا کہ رجسٹرار آفس اس بات کا مجاز نہیں ہے کہ کسی ایسی آئینی پٹیشن کو رد کر سکے جس میں بنیادی حقوق کا معاملہ پیش نظر ہو۔ لہٰذا یہ درخواست کی گئی کہ رجسٹرار آفس کی طرف سے عائد کردہ اعتراضات مسترد کرتے ہوئے ہماری پٹیشن کو کورٹ کے سامنے پیش کیا جائے۔ اس درخواست کو قبول کرتے ہوئے ۱۵ اکتوبر ۲۰۱۵ء کو ایک مختصر سی کارروائی کے بعد اس بنیاد پر کہ معاملہ پہلے سے فیڈرل شریعت کورٹ میں subjudice ہے‘ اس درخواست کو مسترد کر دیا گیا۔

دوسری طرف ۲۰۰۸ء سے ۲۰۱۳ء تک کے پیپلز پارٹی کے پانچ سالہ دورِ اقتدار کے خاتمے پر بیرونی قرضہ ۵۹ ارب ڈالر تھا۔ ۲۰۱۳ء میں نون لیگ کا روشن دور شروع ہوا‘ جس کے اختتام پر بیرونی قرضہ ۹۳ ارب ڈالر تھا۔ ۲۰۱۹ء میں عمران خان نے چھ ارب ڈالر کا معاہدہ کیا۔ ۲۰۱۹ء کی پہلی سہ ماہی تک پاکستان پر قرضے ۱۰۶ ارب ڈالر ہو چکے تھے جو خام ملکی پیداوار (جی ڈی پی) کے ساڑھے بہتر فیصد سے زیادہ ہو گئے‘ یعنی ملک بدترین معاشی بحران کا شکار ہو چکا تھا۔ (باقی صفحہ 81 پر)

دورۂ ترجمۂ قرآن

ڈاکٹر اسرار احمد

سُوْرَۃُ التَّغَابُنِ

تمہیدی کلمات

سورۃ التغابن ایمانی مباحث کے حوالے سے قرآن مجید کی جامع ترین سورت ہے۔ اس سے پہلے سورۃ المنافقون میں نفاق کا بیان تھا۔ نفاق انسان کے ''باطن'' کا منفی پہلو ہے' جبکہ اس کا مثبت پہلو ایمان ہے۔ مصحف میں سورۃ المنافقون کے بعد سورۃ التغابن کو لا کر گویا تصویر کے دونوں رخ یکجا کر دیے گئے ہیں۔ یہاں میں تحدیثِ نعمت کے طور پر یہ بھی بتانا چاہتا ہوں کہ سورۃ الحدید کے بعد دوسرے نمبر پر اللہ تعالیٰ نے مجھے یہ سورت عطا کی ہے۔ اس سورت کا نظم اور اس کے اَسرار و رموز اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے میرے ذہن میں بہت واضح ہیں۔

اس سورت کے نظم کا مختصر تعارف یہ ہے کہ پہلے رکوع کی ابتدائی سات آیات میں ایمانیاتِ ثلاثہ کا ذکر ہے' یعنی ایمان باللہ اور صفاتِ باری تعالیٰ' ایمان بالرسالت' اور ایمان بالآخرۃ یا ایمان بالمعاد۔ پھر اگلی تین آیات میں ایمان کی زوردار دعوت دی گئی ہے کہ یہ واقعی حقائق ہیں' ان کو قبول کرو' تسلیم کرو اور انہیں حرزِ جان بناؤ اور ان پر یقین سے اپنے باطن کو منور کرو۔ دوسرے رکوع کی پہلی پانچ آیات میں ایمان کے ثمرات اور ایمان کے نتیجے میں انسان کے فکر و نظر اور اس کی شخصیت میں جو تبدیلیاں رونما ہونی چاہئیں' ان کا بیان ہے۔ جیسے آم کا درخت اگر صحت مند ہو گا تو اس پر آم ضرور لگیں گے' اسی طرح ایمانِ حقیقی کے ظاہری و باطنی ثمرات بھی ضرور ظاہر ہوتے ہیں۔ ایمان کے ثمرات کے بیان کے بعد آخری تین آیات میں ایمانِ حقیقی کے تقاضوں کو عملی طور پر پورا کرنے کی نہایت زوردار اور مؤثر ترغیب و تشویق ہے' اور ان میں تقویٰ' سمع و طاعت اور انفاق فی سبیل اللہ کی اہمیت پر بہت زور دیا گیا ہے۔ اس طرح یہ سورۂ مبارکہ چار حصّوں میں منقسم ہے۔

آیات ۱ تا ۷

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ○

یُسَبِّحُ لِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الۡاَرۡضِ ۚ لَہُ الۡمُلۡکُ وَ لَہُ الۡحَمۡدُ ۫ وَ ہُوَ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ ﴿۱﴾ ہُوَ الَّذِیۡ خَلَقَکُمۡ فَمِنۡکُمۡ کَافِرٌ وَّ مِنۡکُمۡ مُّؤۡمِنٌ ؕ وَ اللّٰہُ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ بَصِیۡرٌ ﴿۲﴾ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضَ بِالۡحَقِّ وَ صَوَّرَکُمۡ فَاَحۡسَنَ صُوَرَکُمۡ ۚ وَ اِلَیۡہِ الۡمَصِیۡرُ ﴿۳﴾ یَعۡلَمُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ وَ یَعۡلَمُ مَا تُسِرُّوۡنَ وَ مَا تُعۡلِنُوۡنَ ؕ وَ اللّٰہُ عَلِیۡمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوۡرِ ﴿۴﴾ اَلَمۡ یَاۡتِکُمۡ نَبَؤُا الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا مِنۡ قَبۡلُ ۫ فَذَاقُوۡا وَبَالَ اَمۡرِہِمۡ وَ لَہُمۡ عَذَابٌ اَلِیۡمٌ ﴿۵﴾ ذٰلِکَ بِاَنَّہٗ کَانَتۡ تَّاۡتِیۡہِمۡ رُسُلُہُمۡ بِالۡبَیِّنٰتِ فَقَالُوۡۤا اَبَشَرٌ یَّہۡدُوۡنَنَا ۫ فَکَفَرُوۡا وَ تَوَلَّوۡا وَّ اسۡتَغۡنَی اللّٰہُ ؕ وَ اللّٰہُ غَنِیٌّ حَمِیۡدٌ ﴿۶﴾ زَعَمَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡۤا اَنۡ لَّنۡ یُّبۡعَثُوۡا ؕ قُلۡ بَلٰی وَ رَبِّیۡ لَتُبۡعَثُنَّ ثُمَّ لَتُنَبَّؤُنَّ بِمَا عَمِلۡتُمۡ ؕ وَ ذٰلِکَ عَلَی اللّٰہِ یَسِیۡرٌ ﴿۷﴾

آیت ۱ ﴿یُسَبِّحُ لِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الۡاَرۡضِ ۚ﴾ ''تسبیح کرتی ہے اللہ کی ہر وہ شے جو آسمانوں میں ہے اور ہر وہ شے جو زمین میں ہے۔''

سورۃ التغابن اَلْمُسَبِّحات کے سلسلے کی آخری سورت ہے۔ اس سلسلے کی سورتوں میں سے یہ دوسری سورت ہے جس کے آغاز میں یُسَبِّحُ کا صیغہ آیا ہے۔ اس سے پہلے یہ صیغہ سورۃ الجمعہ کی پہلی آیت میں آیا ہے۔ باقی تینوں اَلْمُسَبِّحات کی ابتدا میں سَبَّحَ کا صیغہ آیا ہے۔

﴿لَہُ الۡمُلۡکُ وَلَہُ الۡحَمۡدُ ۫﴾ ''اُسی کی بادشاہی ہے اور اُسی کے لیے حمد ہے۔''

کُل کائنات کی بادشاہی بھی اللہ ہی کی ہے اور کُل شکر و سپاس اور تعریف و ثنا کا مستحق حقیقی بھی صرف وہی ہے۔

﴿وَہُوَ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ ﴿۱﴾﴾ ''اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔''

آیت ۲ ﴿هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ فَمِنْكُمْ كَافِرٌ وَّمِنْكُمْ مُّؤْمِنٌ ؕ﴾ ”وہی ہے جس نے تمہیں پیدا کیا ہے‘ پھر تم میں سے کوئی کافر ہے اور کوئی مؤمن۔“

ظاہر ہے تمام انسانوں کا خالق اللہ ہے۔ اس لحاظ سے ہر انسان کو چاہیے کہ وہ اپنے خالق کا شکر گزار بن کر رہے‘ اسی کو اپنا معبود جانے اور اسی کے آگے جھکے۔ لیکن بہت سے انسان اللہ تعالیٰ کے منکر اور نافرمان ہیں۔ بظاہر تو یہ بہت عجیب بات ہے کہ مخلوق کا کوئی فرد اپنے خالق کا منکر یا نافرمان ہو لیکن واقعہ بہرحال یہی ہے۔

﴿وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝۲﴾ ”اور جو کچھ تم کر رہے ہو اللہ اسے دیکھ رہا ہے۔“

آیت کے مضمون کے اعتبار سے اس جملے میں بہت بڑی وعید بھی پنہاں ہے اور ایک بشارت بھی مضمر ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ ایک ایک انسان کے اعتقاد و نظریہ سے باخبر ہے۔ وہ ایک ایک انسان کی ایک ایک حرکت کو بھی دیکھ رہا ہے۔ وقت آنے پر وہ اپنے سب نافرمانوں سے نپٹ لے گا۔ ان الفاظ کا بشارت والا پہلو یہ ہے کہ جو اُس کے شکر گزار اور مطیع فرمان ہوں گے ان کو وہ انعام و اکرام سے نوازے گا۔ اس لیے کہ وہ سب کچھ دیکھ رہا ہے اور سب کی روش سے آگاہ ہے!

آیت ۳ ﴿خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ﴾ ”اُس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا حق کے ساتھ“

اللہ تعالیٰ نے یہ کائنات عبث پیدا نہیں کی‘ بلکہ یہ ایک بہت ہی بامقصد اور نتیجہ خیز تخلیق ہے اور انسان اُس کی تخلیق کی معراج ہے۔ چنانچہ کائنات کی تخلیق کے ذکر کے بعد خاص طور پر تخلیقِ انسانی کا ذکر فرمایا:

﴿وَصَوَّرَكُمْ فَاَحْسَنَ صُوَرَكُمْ ۚ﴾ ”اور اُس نے تمہاری صورت گری کی تو بہت ہی عمدہ صورت گری کی۔“

انسانی ڈھانچے کی ساخت‘ جسم کی بناوٹ‘ چہرے کے خدوخال‘ غرض ایک ایک عضو کی تخلیق ہر پہلو سے کامل‘ انتہائی متناسب اور دیدہ زیب ہے۔

﴿وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ۝۳﴾ ”اور اُسی کی طرف (سب کو) لوٹنا ہے۔“

کیا تم لوگ سمجھتے ہو کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں تخلیق کے بہترین درجے پر (فِيْٓ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ) بنا کر اور بہترین صلاحیتوں سے نواز کر جانوروں اور کیڑوں مکوڑوں کی سی بے مقصد

زندگی گزارنے کے لیے چھوڑ دیا ہے؟ یا کیا تمہاری حیثیت اللہ تعالیٰ کے سامنے ایک کھلونے کی سی ہے جسے اُس نے صرف دل بہلانے کے لیے بنایا ہے اور اس کے علاوہ تمہاری تخلیق کا کوئی سنجیدہ مقصد نہیں ہے؟ نہیں‘ ایسا ہرگز نہیں ہے۔ تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ اپنی نسل کے اعتبار سے تم اللہ تعالیٰ کی تخلیق کی معراج ہو۔ تمہاری تخلیق ایک بامقصد تخلیق ہے۔ ابھی تم محض ایک وقفہ امتحان سے گزر رہے ہو‘ اس کے بعد تمہیں پلٹ کر اللہ تعالیٰ کے پاس جانا ہے اور اپنی دنیوی زندگی کے اعمال و افعال کا حساب دینا ہے۔

اگلی آیت ”ایمان بالعلم“ کے حوالے سے قرآن مجید کی جامع ترین آیت ہے‘ بلکہ یوں سمجھئے کہ اس موضوع پر قرآن مجید کی بہت سی آیات میں جو تفصیلات آئی ہیں ان کا خلاصہ اس ایک آیت میں آ گیا ہے۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ کے علم کی تین جہتیں (dimensions) بیان ہوئی ہیں۔ پہلی جہت کیا ہے؟

آیت ۴ ﴿يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ ”وہ جانتا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے“

اب دوسری جہت ملاحظہ کیجیے:

﴿وَيَعْلَمُ مَا تُسِرُّوْنَ وَمَا تُعْلِنُوْنَ ؕ﴾ ”اور وہ جانتا ہے جو کچھ تم چھپاتے ہو اور جو کچھ تم ظاہر کرتے ہو“

اور تیسری جہت کیا ہے؟

﴿وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝۴﴾ ”اور اللہ اُس سے بھی باخبر ہے جو تمہارے سینوں کے اندر ہے۔“

اس آیت کے الفاظ اور مفہوم کے حوالے سے میں بہت عرصہ متردّد رہا کہ بظاہر تو یہاں الفاظ کی تکرار نظر آتی ہے کہ جو کچھ ہم چھپاتے ہیں وہی تو ہمارے سینوں میں ہوتا ہے‘ لیکن تکرارِ محض چونکہ کلام کا عیب سمجھا جاتا ہے اس لیے مجھے یقین تھا کہ آیت کے تیسرے حصے میں ضرور کوئی نئی بات بتائی گئی ہے۔ پھر یکا یک میرا ذہن اس طرف منتقل ہو گیا کہ مَا تُسِرُّوْنَ کے لفظ میں ہمارے اُن خیالات و تصورات کا ذکر ہے جنہیں ہم ارادی طور پر چھپاتے ہیں‘ جبکہ ”سینوں کے رازوں“ سے ہماری سوچوں کے وہ طوفان مراد ہیں جو ہمارے تحت الشعور

(subconscious mind) میں اُٹھتے رہتے ہیں اور جن سے اکثر و بیشتر ہم خود بھی بے خبر ہوتے ہیں' بلکہ بسا اوقات ان خیالات کے بارے میں ہم دھوکہ بھی کھا جاتے ہیں۔ چنانچہ آیت کے اس حصے کا مفہوم یوں ہے کہ اللہ تعالیٰ تو تمہارے تحت الشعور کی تہوں میں اٹھنے والے ان خیالات کو بھی جانتا ہے جنہیں تم خود بھی نہیں جانتے' کیونکہ وہ تو تمہارے جینز (genes) سے بھی واقف ہے: ﴿هُوَ اَعْلَمُ بِكُمْ اِذْ اَنْشَاَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ وَاِذْ اَنْتُمْ اَجِنَّةٌ فِيْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ﴾ (النجم: ۳۲) ''وہ تمہیں خوب جانتا ہے اُس وقت سے جب اس نے تمہیں زمین سے اٹھایا تھا اور جب تم اپنی ماؤں کے پیٹوں میں جنین کی شکل میں تھے۔''

آیت ۵ ﴿اَلَمْ يَاْتِكُمْ نَبَؤُا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَبْلُ﴾ ''کیا تمہارے پاس خبریں آ نہیں چکی ہیں اُن لوگوں کی جنہوں نے کفر کیا تھا اس سے پہلے''

قومِ نوحؑ، قومِ ہودؑ، قومِ صالحؑ اور دوسری اقوام کے واقعات مکی قرآن میں بار بار دہرائے گئے ہیں۔

﴿فَذَاقُوْا وَبَالَ اَمْرِهِمْ﴾ ''تو انہوں نے اپنے کیے کی سزا چکھ لی''

انہوں نے اللہ تعالیٰ کے رسولوں کو جھٹلایا اور اس کفر کی پاداش میں انہیں ہلاک کر دیا گیا۔

﴿وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝۵﴾ ''اور ان کے لیے دردناک عذاب بھی ہے۔''

دنیا کی سزا بھگتنے کے بعد ان اقوام کے افراد ابھی تو عالمِ برزخ میں ہیں' لیکن ان کے لیے اللہ تعالیٰ نے جو بہت بڑا عذاب تیار کر رکھا ہے وہ بھی ان کا منتظر ہے۔ اس بڑے عذاب کا سامنا انہیں آخرت میں کرنا پڑے گا۔ اب اگلی آیت میں ان کے کفر کے سبب کا تجزیہ کیا جا رہا ہے۔

آیت ۶ ﴿ذٰلِكَ بِاَنَّهٗ كَانَتْ تَّاْتِيْهِمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ﴾ ''یہ اس لیے ہوا کہ ان کے پاس ان کے رسول آتے رہے واضح نشانیاں لے کر''

﴿فَقَالُوْٓا اَبَشَرٌ يَّهْدُوْنَنَا فَكَفَرُوْا وَتَوَلَّوْا﴾ ''تو انہوں نے کہا کہ کیا انسان ہمیں ہدایت دیں گے؟ پس انہوں نے کفر کیا اور رُخ پھیر لیا''

﴿وَّاسْتَغْنَى اللّٰهُ ۭ وَاللّٰهُ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ ۝۶﴾ ''اور اللہ نے بھی (ان سے) بے نیازی اختیار کی۔ اور اللہ تو ہے ہی بے نیاز' ستودہ صفات۔''

یعنی ہر قوم کے لوگ صرف اس بنا پر اپنے رسولؑ کا انکار کرتے رہے کہ یہ تو ہماری طرح کا بشر ہے۔ یہ رسول کیسے ہو سکتا ہے؟ ان کے اس رویے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے بھی ان لوگوں کو ان

کے حال پر چھوڑ دیا کہ تم جدھر جانا چاہتے ہو چلے جاؤ۔ یہاں پر یہ نکتہ بھی سمجھ لینا ضروری ہے کہ جیسے رسالت کا انکار بربنائے بشریت (کہ بشر رسول نہیں ہو سکتا) غلط ہے' ایسے ہی بشریت کا انکار بربنائے رسالت (کہ رسول بشر نہیں ہو سکتا) بھی غلط ہے۔ یہ دراصل ایک ہی سوچ کے دو رُخ ہیں۔ جیسے انسانی جسم کے اندر ایک بیماری کسی ایک عضو پر کینسر کی شکل میں حملہ کرتی ہے تو کسی دوسرے عضو پر اثر انداز ہونے کے لیے کسی اور روپ میں ظاہر ہوتی ہے۔ چنانچہ اس نظریاتی بیماری کی ابتدائی صورت یہ سوچ تھی کہ ایک انسان یا بشر اللہ تعالیٰ کا رسول نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ ہر قوم نے اپنے رسولؑ پر بنیادی اعتراض یہی کیا کہ یہ تو بشر ہے' یہ بالکل ہمارے جیسا ہے' ہماری طرح کھاتا پیتا ہے اور ہماری طرح ہی چلتا پھرتا ہے۔ فلاں کا بیٹا ہے' فلاں کا پوتا ہے' ہمارے سامنے پلا بڑھا ہے۔ یہ رسول کیسے ہو سکتا ہے؟ یعنی انہوں نے بشریت کی بنیاد پر رسولؑ کی رسالت کا انکار کر دیا۔ بعد میں اس بیماری نے دوسری شکل اختیار کر لی۔ وہ یہ کہ جس کو رسول مان لیا پھر اسے بشر ماننا مشکل ہو گیا۔ کسی نے اپنے رسول کو خدا بنا لیا تو کسی نے خدا کا بیٹا۔ صرف اس لیے کہ اسے بشر ماننا انہیں گوارا نہیں تھا۔ اسی وجہ سے قرآن مجید میں حضور ﷺ سے بار بار کہلوایا گیا: ﴿قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ﴾ (الکھف: ۱۱۰) کہ اے نبی ﷺ! آپ ڈنکے کی چوٹ پر کہیے اور بار بار کہیے کہ میں تمہاری طرح کا ایک بشر ہوں۔ ہاں مجھے یہ امتیاز حاصل ہے کہ مجھ پر وحی نازل ہوتی ہے۔ لیکن قرآن مجید کے واضح اور تاکیدی احکام کے باوجود مذکورہ نظریات کے اثرات ہماری صفوں میں بھی در آئے' بلکہ ہمارے ہاں تو یہ بھی ہوا کہ اس مسئلے کے تدارک کے نام پر کچھ لوگ دوسری انتہا پر چلے گئے۔ چنانچہ اس حوالے سے اگر کسی نے ''بڑے بھائی'' کی مثال بیان کی یا اسی نوعیت کی کوئی دوسری دلیل پیش کی تو اُس نے بھی حدِ ادب سے تجاوز کیا۔ ظاہر ہے جب فریقین ایک دوسرے کو غلط ثابت کرنے کے لیے بحث و تکرار کریں گے تو نامناسب الفاظ کا استعمال بھی ہو گا اور غلطیاں بھی ہوں گی۔

بہرحال اس میں تو کوئی شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے تمام پیغمبر انسان ہی تھے' لیکن پیغمبروں کے بعض خصائص ایسے بھی ہوتے ہیں جو عام انسانوں کے نہیں ہو سکتے۔ حضور ﷺ کی سیرت میں ایسے کئی خصائص کا ذکر ملتا ہے۔ مثلاً جب صحابہ کرام ؓ نے حضور ﷺ سے عرض کی کہ آپؐ خود تو صومِ وصال (کئی کئی دنوں کا روزہ اور اس طرح کے یکے بعد دیگرے کئی

روزے رکھنے) کا اہتمام فرماتے ہیں لیکن ہمیں اس کی اجازت نہیں دیتے‘ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ((اَیُّکُمْ مِثْلِیْ؟ اِنِّیْ اَبِیْتُ یُطْعِمُنِیْ رَبِّیْ وَیَسْقِیْنِ))(۱) ”تم میں سے کون ہے جو مجھ جیسا ہے؟ مَیں تو اس حال میں رات گزارتا ہوں کہ میرا رب مجھے کھلاتا ہے اور پلاتا ہے“۔ اسی طرح حضور ﷺ کا فرمان ہے: ((فَوَ اللّٰہِ مَا یَخْفٰی عَلَیَّ رُکُوْعُکُمْ وَلَا سُجُوْدُکُمْ‘ اِنِّیْ لَاَرَاکُمْ وَرَاءَ ظَھْرِیْ))(۲) ”اللہ کی قسم! (نماز باجماعت میں) تمہارے رکوع اور تمہارے سجدے مجھ پر مخفی نہیں ہوتے‘ مَیں تو اپنے پس پشت بھی تمہیں دیکھ رہا ہوتا ہوں“۔ صحیح بخاری کی روایات میں وَلَا خُشُوْعُکُمْ کے الفاظ بھی ہیں کہ نماز میں تمہارا خشوع بھی مجھ سے مخفی نہیں ہوتا۔ پھر معراج کے موقع پر آپ ﷺ کا راتوں رات مکہ سے بیت المقدس تشریف لے جانا‘ اس کے بعد آسمانوں کی سیر کرنا اور سدرۃ المنتہیٰ کے مقام پر خصوصی کیفیات کا مشاہدہ کرنا‘ یہ سب آپؐ کے امتیازی خصائص ہیں۔

دوسری طرف اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ بنیادی طور پر آپؐ انسان تھے اور انسانی داعیات و میلانات رکھتے تھے۔ آپؐ کو چوٹ لگتی تو درد محسوس کرتے‘ غزوۂ اُحد میں زخم آیا تو خون کا فوارہ چھوٹ پڑا‘ بیٹا فوت ہوا تو آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے۔ کبھی جذبات کی ایسی کیفیت بھی ہوئی کہ زبان سے بددعا بھی نکل گئی: ((کَیْفَ یُفْلِحُ قَوْمٌ خَضَبُوْا وَجْهَ نَبِیِّھِمْ بِالدَّمِ!))(۳) ”وہ قوم کیسے کامیاب ہوگی جس نے اپنے نبیؐ کا چہرہ خون سے رنگین کر دیا!“

بہر حال آپ ﷺ بلاشبہ بشر تھے‘ جیسا کہ قرآن مجید ہمیں تکرار کے ساتھ بتاتا ہے‘ لیکن آپؐ کی بشریت کو اللہ تعالیٰ نے وہ مقام عطا فرمایا تھا جو آپؐ کے شایانِ شان تھا —— اب اگلی آیت میں ایمان بالآخرت کا ذکر ہے:

آیت ۷ ﴿زَعَمَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْٓا اَنْ لَّنْ یُّبْعَثُوْا ؕ﴾ ”کافروں کو یہ زعم ہے کہ وہ (مرنے کے بعد) ہرگز اٹھائے نہیں جائیں گے۔“

﴿قُلْ بَلٰی وَرَبِّیْ لَتُبْعَثُنَّ ثُمَّ لَتُنَبَّؤُنَّ بِمَا عَمِلْتُمْ ؕ﴾ ”(اے

۱۔ صحیح البخاری‘ کتاب الصوم‘ باب التنکیل لمن اکثر الوصال‘ ح ۱۹۶۵۔
و صحیح مسلم‘ کتاب الصیام‘ باب النھی عن الوصال فی الصوم۔ ح: ۱۱۰۳۔
۲۔ صحیح مسلم‘ کتاب الصلاۃ‘ باب الامر بتحسین الصلاۃ و اتمامھا والخشوع فیھا۔
۳۔ صحیح ابن ماجہ للالبانی‘ ح: ۳۲۶۹۔

نبی ﷺ!) آپ کہہ دیجیے: کیوں نہیں! مجھے میرے رب کی قسم ہے‘ تم لازماً اٹھائے جاؤ گے‘ پھر تمہیں لازماً جتلایا جائے گا ان اعمال کے بارے میں جو تم نے کیے ہیں۔“

اس اسلوب میں جو زور اور تاکید ہے انسانی زبان سے اس کا بیان ناممکن ہے! اللہ عزّوجل کا فرمان‘ رسول اللہ ﷺ کی قسم اور انتہائی تاکیدی صیغوں کا استعمال! اس سے بڑھ کر زوردار عبارت بھلا اور کون سی ہوگی۔ حضور ﷺ نے بنوہاشم کو دعوت کے سلسلے میں جو خطبہ دیا تھا اس کا مضمون اور اسلوب بھی اس جملے سے ملتا جلتا ہے۔ میرے کتابچے ”دعوت اِلی اللہ“ میں اس خطبے کا پورا متن موجود ہے۔ اس کتابچے کا انگریزی ترجمہ بھی Call to Allah کے عنوان سے ہو چکا ہے۔ اس خطبے کا اسلوب ملاحظہ ہو:

((وَاللّٰہِ لَتَمُوْتُنَّ کَمَا تَنَامُوْنَ ، ثُمَّ لَتُبْعَثُنَّ کَمَا تَسْتَیْقِظُوْنَ ، ثُمَّ لَتُحَاسَبُنَّ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ، ثُمَّ لَتُجْزَوُنَّ بِالْاِحْسَانِ اِحْسَانًا وَبِالسُّوْءِ سُوْءًا ، وَاِنَّھَا لَجَنَّۃٌ اَبَدًا اَوْ لَنَارٌ اَبَدًا))(۴)

”خدا کی قسم تم سب مر جاؤ گے جیسے (روزانہ) سو جاتے ہو! پھر یقیناً تم اٹھائے جاؤ گے جیسے (ہر صبح) بیدار ہو جاتے ہو۔ پھر لازماً تمہارے اعمال کا حساب کتاب ہوگا‘ اور پھر لازماً تمہیں بدلہ ملے گا اچھائی کا اچھائی اور بُرائی کا بُرائی‘ اور وہ جنت ہے ہمیشہ کے لیے یا آگ ہے دائمی۔“

﴿وَذٰلِکَ عَلَی اللّٰہِ یَسِیْرٌ ۷﴾ ”اور یہ اللہ پر بہت آسان ہے۔“

یہ ابتدائی سات آیات ایمان کے بیان سے متعلق تھیں۔ ان میں پہلی چار آیات ذات و صفاتِ باری تعالیٰ پر ایمان سے متعلق ہیں۔ پھر دو آیات ایمانِ رسالت کے بارے میں ہیں‘ جبکہ ساتویں آیت کا تعلق ایمان بالآخرت سے ہے۔ اب اگلی تین آیات میں ایمان کی زوردار دعوت دی جا رہی ہے:

آیات ۸ تا ۱۰

فَاٰمِنُوْا بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ وَالنُّوْرِ الَّذِیْٓ اَنْزَلْنَا ؕ وَاللّٰہُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرٌ ۸ یَوْمَ یَجْمَعُکُمْ لِیَوْمِ الْجَمْعِ ذٰلِکَ یَوْمُ

۴۔ بحوالہ جمھرۃ الخطب‘ ص ۵۔ و فقہ السیرۃ للالبانی‘ ص ۹۷۔

التَّغَابُنِ ؕ وَ مَنۡ یُّؤۡمِنۡۢ بِاللّٰہِ وَ یَعۡمَلۡ صَالِحًا یُّکَفِّرۡ عَنۡہُ سَیِّاٰتِہٖ
وَ یُدۡخِلۡہُ جَنّٰتٍ تَجۡرِیۡ مِنۡ تَحۡتِہَا الۡاَنۡہٰرُ خٰلِدِیۡنَ فِیۡہَاۤ اَبَدًا ؕ
ذٰلِکَ الۡفَوۡزُ الۡعَظِیۡمُ ﴿۹﴾ وَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا وَ کَذَّبُوۡا بِاٰیٰتِنَاۤ اُولٰٓئِکَ
اَصۡحٰبُ النَّارِ خٰلِدِیۡنَ فِیۡہَا ؕ وَ بِئۡسَ الۡمَصِیۡرُ ﴿۱۰﴾

آیت ۸ ﴿فَاٰمِنُوۡا بِاللّٰہِ وَ رَسُوۡلِہٖ﴾ ”پس ایمان لاؤ اللہ پر اور اُس کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) پر“

یہاں آیت کے آغاز کی ”ف“ بہت اہم ہے۔ گویا گزشتہ چار آیات کے مضمون کا ربط اگلی تین آیات کے مضمون کے ساتھ اس ”ف“ سے قائم ہو رہا ہے۔

﴿وَ النُّوۡرِ الَّذِیۡۤ اَنۡزَلۡنَا ؕ﴾ ”اور اُس نُور پر جو ہم نے نازل کیا ہے۔“

﴿وَ اللّٰہُ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ خَبِیۡرٌ ﴿۸﴾﴾ ”اور جو کچھ تم کر رہے ہو اللہ اس سے باخبر ہے۔“

اس آیت میں اللہ‘ رسولؐ اور آخرت سے متعلق تینوں ”ایمانیات“ کا ذکر آ گیا ہے۔ اللہ اور رسولؐ کا ذکر تو واضح ہے لیکن آخرت کا ذکر آیت کے آخری حصے ﴿وَ اللّٰہُ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ خَبِیۡرٌ﴾ میں اشارتاً ہوا ہے۔ ظاہر ہے اللہ تعالیٰ ہر انسان کے ایک ایک عمل کی نگرانی محض تحقیق و تدقیق کی غرض سے ہی تو نہیں کر رہا ہے‘ بلکہ آخرت میں انہیں سزا یا جزا دینے کے لیے کر رہا ہے ـــــ اب اگلی دو آیات خاص طور پر ایمان بالآخرت کی دعوت سے متعلق ہیں:

آیت ۹ ﴿یَوۡمَ یَجۡمَعُکُمۡ لِیَوۡمِ الۡجَمۡعِ ذٰلِکَ یَوۡمُ التَّغَابُنِ ؕ﴾ ”جس دن کہ وہ تمہیں جمع کرے گا جمع ہونے کے دن کے لیے‘ وہی ہے ہار اور جیت کے فیصلے کا دن۔“

اصل جیت بھی اُس دن کی جیت ہے اور اصل ہار بھی اُس دن کی ہار ہے۔ اس کے مقابلے میں دنیا کی ہار یا جیت کوئی معنی نہیں رکھتی۔ دنیا کی ہار جیت تو کسی ڈرامے کے کرداروں کی ہار جیت کی طرح ہے جس کا متعلقہ کردار کی حقیقی زندگی سے کچھ بھی تعلق نہیں ہوتا ـــــ اب آگے وضاحت کی جا رہی ہے کہ قیامت کے دن کی جیت کس کے حصے میں آئے گی اور اُس دن کی ہار کس کے گلے کا ہار بنے گی۔

﴿وَ مَنۡ یُّؤۡمِنۡۢ بِاللّٰہِ وَ یَعۡمَلۡ صَالِحًا﴾ ”اور جو کوئی ایمان لائے اللہ پر اور نیک اعمال کرے“

ان اعمال کی تفصیل آگے آئے گی۔

﴿یُّکَفِّرۡ عَنۡہُ سَیِّاٰتِہٖ وَ یُدۡخِلۡہُ جَنّٰتٍ تَجۡرِیۡ مِنۡ تَحۡتِہَا الۡاَنۡہٰرُ خٰلِدِیۡنَ فِیۡہَاۤ اَبَدًا ؕ﴾ ”وہ اس کی بُرائیوں کو اس سے دور کر دے گا اور اسے ان باغات میں داخل کرے گا جن کے دامن میں نہریں بہتی ہوں گی‘ وہ اس میں رہیں گے ہمیشہ ہمیش۔“

﴿ذٰلِکَ الۡفَوۡزُ الۡعَظِیۡمُ ﴿۹﴾﴾ ”یہ ہے بہت بڑی کامیابی۔“

یہ جیت کی شرح ہو گئی‘ یعنی جنّت میں داخلہ اور ہمیشہ کا خلود! گویا یہ ہے مستقل‘ واقعی اور حقیقی جیت! اس کے برعکس ہار کیا ہے؟ اسے اگلی آیت میں واضح فرمادیا گیا:

آیت ۱۰ ﴿وَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا وَ کَذَّبُوۡا بِاٰیٰتِنَاۤ اُولٰٓئِکَ اَصۡحٰبُ النَّارِ خٰلِدِیۡنَ فِیۡہَا ؕ﴾ ”اور جنہوں نے انکار کیا اور تکذیب کی ہماری آیات کی وہی ہوں گے جہنمی‘ وہ ہمیشہ رہیں گے اس میں۔“

﴿وَ بِئۡسَ الۡمَصِیۡرُ ﴿۱۰﴾﴾ ”اور وہ بہت بُرا ٹھکانہ ہے۔“

گزشتہ دس آیات میں ایمانیاتِ ثلاثہ (ایمان باللہ‘ ایمان بالرسالت اور ایمان بالآخرت) کی بہترین اور جامع ترین تعبیر بیان ہوئی ہے اور پھر ایمان کے لیے زوردار دعوت دی گئی ہے۔ اس طرح کہ جس موضوع کا بیان مفصل ہے اس کے لیے دعوت مختصراً دی گئی ہے اور جو موضوع مختصر طور پر بیان ہوا ہے اس کی دعوت نسبتاً مفصل انداز میں آئی ہے۔ یعنی ایمان باللہ اور ایمان بالرسالت کا بیان چھ آیات میں ہوا ہے اور ان کے لیے دعوت صرف ایک آیت (آیت ۸) میں دی گئی ہے۔ اس کے مقابل ایمان بالآخرت کا بیان صرف ایک آیت (آیت ۷) میں ہوا ہے لیکن اس کی دعوت کا ذکر دو آیات (آیت ۹ اور ۱۰) میں نسبتاً تفصیل سے ہوا ہے۔

آیات ۱۱ تا ۱۵

مَاۤ اَصَابَ مِنۡ مُّصِیۡبَۃٍ اِلَّا بِاِذۡنِ اللّٰہِ ؕ وَ مَنۡ یُّؤۡمِنۡۢ بِاللّٰہِ یَہۡدِ
قَلۡبَہٗ ؕ وَ اللّٰہُ بِکُلِّ شَیۡءٍ عَلِیۡمٌ ﴿۱۱﴾ وَ اَطِیۡعُوا اللّٰہَ وَ اَطِیۡعُوا
الرَّسُوۡلَ ۚ فَاِنۡ تَوَلَّیۡتُمۡ فَاِنَّمَا عَلٰی رَسُوۡلِنَا الۡبَلٰغُ الۡمُبِیۡنُ ﴿۱۲﴾ اَللّٰہُ لَاۤ
اِلٰہَ اِلَّا ہُوَ ؕ وَ عَلَی اللّٰہِ فَلۡیَتَوَکَّلِ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ ﴿۱۳﴾ یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ
اٰمَنُوۡۤا اِنَّ مِنۡ اَزۡوَاجِکُمۡ وَ اَوۡلَادِکُمۡ عَدُوًّا لَّکُمۡ فَاحۡذَرُوۡہُمۡ ۚ وَ

اِنْ تَعْفُوْا وَ تَصْفَحُوْا وَتَغْفِرُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۱۴﴾ اِنَّمَاۤ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ؕ وَ اللّٰهُ عِنْدَهٗۤ اَجْرٌ عَظِیْمٌ ﴿۱۵﴾

دوسرے رکوع کی پہلی پانچ آیات میں ثمراتِ ایمانی کا ذکر ہے۔ ان میں سے پہلا ثمرہ یہ ہے:

آیت ۱۱ ﴿مَاۤ اَصَابَ مِنْ مُّصِیْبَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ﴾ ”نہیں آتی کوئی مصیبت مگر اللہ کے اذن سے۔“

﴿وَمَنْ یُّؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ یَهْدِ قَلْبَهٗ ؕ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ﴿۱۱﴾﴾ ”اور جو کوئی اللہ پر ایمان رکھتا ہے‘ وہ اُس کے دل کو ہدایت دے دیتا ہے۔ اور اللہ ہر چیز کا علم رکھنے والا ہے۔“

ایمانِ حقیقی کی بدولت انسان کے دل کی گہرائیوں میں یہ یقین پیدا ہو جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اذن کے بغیر ایک پتا تک جنبش نہیں کر سکتا۔ اس لیے اگر اس پر کوئی مصیبت بھی آ جاتی ہے تو اس کا دل مطمئن رہتا ہے کہ یہ اللہ کے حکم سے ہی آئی ہے اور یہ کہ میری بہتری اسی میں ہے: ﴿وَعَسٰۤی اَنْ تَكْرَهُوْا شَیْـًٔا وَّهُوَ خَیْرٌ لَّكُمْ ۚ وَعَسٰۤی اَنْ تُحِبُّوْا شَیْـًٔا وَّهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ ؕ وَاللّٰهُ یَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۱۶﴾﴾ (البقرۃ) ”اور ہو سکتا ہے کہ تم کسی شے کو ناپسند کرو اور وہ تمہارے لیے بہتر ہو۔ اور ہو سکتا ہے کہ تم کسی چیز کو پسند کرو درآنحالیکہ وہی تمہارے لیے بُری ہو۔ اور اللہ جانتا ہے‘ تم نہیں جانتے“۔ چنانچہ اپنے اس ایمان اور یقین کی وجہ سے ایک بندۂ مؤمن بڑی سے بڑی تکلیف اور مشکل سے مشکل حالات میں بھی نہ تو دل میں شکوہ کرتا ہے اور نہ ہی حرفِ شکایت زبان پر لاتا ہے‘ بلکہ وہ ہر حال میں پیکرِ تسلیم و رضا بنا رہتا ہے کہ اے اللہ! میری بھلائی تیرے ہاتھ میں ہے: بِیَدِكَ الْخَیْرُ! تیری طرف سے میرے لیے خوشی آئے یا غم‘ مجھے قبول ہے‘ تیری جو بھی رضا ہو اس کے سامنے میرا سرِ تسلیم خم ہے! بقول غالبؔ:

ہم بھی تسلیم کی خُو ڈالیں گے
بے نیازی تری عادت ہی سہی!

ظاہر ہے اس مقامِ خاص تک صرف سچّے اور مخلص اہلِ ایمان ہی پہنچ پاتے ہیں۔ ایمانِ حقیقی سے محروم دلوں کے نصیب میں تسلیم و رضا کی حلاوت کہاں: ؎

نہ شود نصیبِ دشمن کہ شود ہلاکِ تیغت
سرِ دوستاں سلامت کہ تُو خنجر آزمائی!

علامہ اقبال نے اپنے اس شعر میں مقامِ تسلیم و رضا کی برکات کا ذکر بڑے پُرشکوہ انداز میں کیا ہے:

بروں کشید ز پیچاکِ ہست و بود مرا
چہ عقدہ ہا کہ مقامِ رضا کشود مرا!

(اس مقامِ رضا نے میرے کیسے کیسے عقدے حل کر دیے ہیں اور مجھے دنیا کی کیسی کیسی پریشانیوں سے نجات دلا دی ہے۔)

خوئے تسلیم و رضا کی وجہ سے انسان اپنا بڑے سے بڑا مسئلہ بھی اللہ کے سپرد کر کے مطمئن ہو جاتا ہے اور جو انسان اس یقین سے محروم ہے وہ دن رات اسی پیچ و تاب میں پڑا رہتا ہے کہ یہ سب کیسے ہو گیا؟ آخر یہ میرے ساتھ ہی کیوں ہوا؟ اگر مَیں اس وقت ایسا کر لیتا تو اس نقصان سے بچ جاتا! اگر میرا فلاں دوست عین وقت پر ایسا نہ کرتا تو ایسا نہ ہوتا! کاش میں یوں کر لیتا! کاش‘ اے کاش!...... گویا انسان اگر مقامِ تسلیم و رضا سے ناآشنا ہو تو چھوٹے چھوٹے واقعات بھی اس کے دل کا روگ بن جاتے ہیں اور اس کے پچھتاوے کبھی ختم ہونے کا نام نہیں لیتے۔ (سورۃ الصف‘ سورۃ الجمعہ‘ سورۃ المنافقون اور سورۃ التغابن‘ یہ چاروں سورتیں ہمارے ”مطالعہ قرآن حکیم کا منتخب نصاب“ میں شامل ہیں‘ جس کے مفصل دروس کی ریکارڈنگ موجود ہے۔ مزید تفصیل کے لیے اس سے استفادہ کیا جا سکتا ہے۔)

اس حوالے سے یہاں یہ وضاحت بھی ضروری ہے کہ اللہ کی رضا پر راضی رہنے اور ہر سختی یا تکلیف کو اُس کا فیصلہ سمجھ کر قبول کر لینے کا تعلق انسان کے ایمان اور دل سے ہے۔ اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ آپ کسی جرم کے خلاف قانونی چارہ جوئی نہ کریں یا اپنے ساتھ ہونے والی کسی زیادتی کا بدلہ نہ لیں۔ بہرحال ایمان کے ثمرات میں سے پہلا ثمرہ یہ ہے کہ حقیقی ایمان انسان کو مقامِ تسلیم و رضا سے آشنا کرتا ہے۔ لیکن اس کا تعلق چونکہ انسان کے احساسات سے ہے اس لیے یوں کہہ لیجیے کہ یہ وہ پھول ہے جو ایک بندۂ مؤمن کے دل کے اندر کھلتا ہے‘ باہر سے نظر نہیں آتا۔ باہر سے نظر آنے والے بڑے پھول کا ذکر اگلی آیت میں آ رہا ہے۔

آیت ۱۲ ﴿وَاَطِیْعُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ ۚ﴾ ”اور اطاعت کرو اللہ کی اور

اطاعت کرو رسول (ﷺ) کی۔‘‘

﴿فَاِنْ تَوَلَّیْتُمْ فَاِنَّمَا عَلٰی رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِیْنُ ﴿۱۲﴾﴾ ’’پھر اگر تم نے پیٹھ موڑ لی تو جان لو کہ ہمارے رسول (ﷺ) کے ذِمّے تو صرف صاف صاف پہنچا دینے کی ذِمّہ داری ہے۔‘‘

اللہ کے رسول ﷺ نے اللہ کے احکام لوگوں تک پہنچا کر اپنی ذِمّہ داری پوری کر دی ہے۔ ان احکام کے بارے میں اب ہر کوئی خود جواب دہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کے واضح احکام کے مقابلے میں اب کسی انسان کی دلیل بازی نہیں چلے گی۔ جیسے سود کی حرمت کا حکم سن کر بعض لوگوں نے کہا تھا: ﴿اِنَّمَا الْبَیْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا ۘ﴾ کہ کاروبار کا منافع بھی تو ربا (سود) ہی کی مانند ہے! ایسے لوگوں کو واضح طور پر بتا دیا گیا کہ: ﴿وَاَحَلَّ اللّٰہُ الْبَیْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا ؕ﴾ (البقرۃ:۲۷۵) کہ اللہ تعالیٰ نے تجارت کو حلال اور سود کو حرام کیا ہے۔ اب بھلا تم کون ہو اللہ کے واضح حکم کے بعد اپنی منطق بگھارنے والے؟ اگر تم اللہ کو مانتے ہو‘ اُس کے رسولؐ کو مانتے ہو‘ اُس کے قرآن کو مانتے ہو تو پھر اللہ‘ اُس کے رسول ﷺ اور قرآن کے احکامات کے مقابلے میں تمہاری کوئی دلیل نہیں چلے گی۔ تمہیں سب احکام بے چون وچرا تسلیم کرنے ہوں گے۔ بقولِ اکبر الٰہ آبادی: ؎

رضائے حق پر راضی رہ‘ یہ حرفِ آرزو کیسا!
خدا خالق‘ خدا مالک‘ خدا کا حکم‘ تو کیسا؟

اور اگر نہیں مانتے ہو تو سیدھی طرح اقرار کرو کہ ہم نہیں مانتے۔ بس تمہارے پاس یہی دو راستے ہیں‘ یا تو اطاعت وفرمانبرداری کی روش اپناؤ یا پھر اُس کے در سے اُٹھ کر چلے جاؤ! (either obey or go away)۔ تیسرا کوئی راستہ نہیں ہے۔

آیت ۱۳ ﴿اَللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ہُوَ ؕ وَعَلَی اللّٰہِ فَلْیَتَوَکَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۳﴾﴾ ’’اللہ وہ ہے کہ اُس کے سوا کوئی الٰہ نہیں۔ پس اہلِ ایمان کو اللہ ہی پر توکّل کرنا چاہیے۔‘‘

اے اہلِ ایمان! اگر تم واقعی اللہ پر ایمان رکھتے ہو تو تمہیں یقین ہونا چاہیے کہ اللہ کی مرضی کے بغیر ایک ذرّہ بھی حرکت نہیں کر سکتا۔ تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ تمہارے کرنے سے کچھ نہیں ہوگا‘ جو کچھ بھی ہوگا وہ اللہ کی مشیت اور مرضی سے ہوگا۔ تمہارا کام صرف یہ ہے کہ محنت کرو اور اس کا

نتیجہ اللہ پر چھوڑ دو۔ اگر تم کوئی کام کرنے کی استطاعت بھی رکھتے ہو‘ تمہارے پاس تمام وسائل بھی موجود ہیں اور تم حالات کو بھی کُلّی طور پر سازگار دیکھتے ہو تو بھی کبھی مت کہنا کہ مَیں یہ کام ضرور کر لوں گا۔ اگر تم ایسا دعویٰ کر بیٹھو گے تو ایمان سے دور ہو جاؤ گے: ﴿وَلَا تَقُوْلَنَّ لِشَایْءٍ اِنِّیْ فَاعِلٌ ذٰلِکَ غَدًا ﴿۲۳﴾ اِلَّآ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰہُ ۫﴾ (الکھف) ’’اور کسی چیز کے بارے میں کبھی یہ نہ کہا کریں کہ مَیں یہ کام کل ضرور کروں گا۔ مگر یہ کہ اللہ چاہے!‘‘ کثرتِ وسائل کے زعم میں فتح کی امید رکھو گے تو وہی حال ہوگا جو لشکرِ اسلام کا وادیٔ حنین میں ہوا تھا۔ وادیٔ حنین میں دشمن کی تیراندازی کی وجہ سے اہلِ ایمان کی صفوں میں ایسی بھگدڑ مچی تھی کہ بارہ ہزار کے لشکر میں سے‘ سیّد سلیمان ندویؒ کی تحقیق کے مطابق تین چار سو اور اُن کے استاد مولانا شبلی نعمانیؒ کے مطابق صرف تیس چالیس لوگ حضور ﷺ کے ساتھ کھڑے رہ گئے تھے۔ سورۃ التوبہ کی آیت ۲۵ میں اس کا سبب بھی بتا دیا گیا: ﴿اِذْ اَعْجَبَتْکُمْ کَثْرَتُکُمْ﴾ (التوبۃ:۲۵) کہ اُس دن اہل ایمان میں سے بعض لوگوں کے دلوں میں اپنی کثرتِ تعداد کا زعم پیدا ہو گیا تھا۔ بہرحال مؤمنین کو ہر طرح کے حالات میں اللہ تعالیٰ پر ہی توکّل کرنا چاہیے اور صادق الایمان مؤمنین ہر حالت میں بلاشبہ اللہ پر ہی توکّل کرتے ہیں۔ یہ توکّل علی اللہ بھی شجرِ ایمان کا وہ پھول ہے جو اہلِ ایمان کے دلوں اور ذہنوں کے اندر کھلتا ہے۔ گویا یہ ایمان کا تیسرا ثمرہ ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اس دنیا میں تہذیب وتمدن کی گاڑی کو چلانے کے لیے ’’علائقِ دنیوی‘‘ کے ضمن میں بہت سی فطری محبتیں انسان کے دل میں ڈال دی ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ ان محبتوں میں سب سے زیادہ قوی محبت بیویوں اور اولاد کی محبت ہے۔ اس طبعی محبت کی طرف اگلی آیت میں متنبہ فرمایا گیا کہ اگر اس میں حدِ اعتدال سے تجاوز ہو جائے تو یہی محبت انسان کے لیے دشمنی کا روپ دھار لے گی۔ لہٰذا اس کے ضمن میں احتیاط کی ضرورت ہے:

آیت ۱۴ ﴿یٰٓاَیُّہَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِکُمْ وَاَوْلَادِکُمْ عَدُوًّا لَّکُمْ فَاحْذَرُوْہُمْ ۚ﴾ ’’اے ایمان کے دعوے دارو! تمہاری بیویوں اور تمہاری اولاد میں سے بعض تمہارے دشمن ہیں‘ سو ان سے بچ کر رہو۔‘‘

یہ بہت مشکل اور نازک معاملہ ہے۔ گزشتہ سورت میں رسول اللہ ﷺ کو منافقین کی عداوت سے بھی انہی الفاظ میں خبردار کیا گیا تھا: ﴿ہُمُ الْعَدُوُّ فَاحْذَرْہُمْ ؕ﴾ (المنٰفقون:۴)

کہ یہ لوگ تمہارے دشمن ہیں‘ ان سے بچ کر رہیے! جس طرح منافقین کی دشمنی تمہارے لیے نقصان دہ ہے‘ اسی طرح تمہارے بیوی بچوں کی محبّت بھی تمہیں نقصان پہنچا سکتی ہے۔ نقصان بے شک کسی کی دشمنی کی وجہ سے ہو یا محبّت کی وجہ سے‘ نقصان ہی ہے اور جو کوئی بھی آپ کو نقصان پہنچانے کے درپے ہو وہ ظاہر ہے آپ کا دشمن ہے۔ بیوی کی بے جا فرمائشیں اور بچوں کی حد سے بڑھی ہوئی ضروریات اگر حلال کی کمائی سے پوری نہیں ہوں گی تو انسان کیا کرے گا؟ ظاہر ہے حرام میں منہ مارے گا۔ اور اگر کوئی یہ نہیں کرے گا تو ڈالر اور پیٹرو ڈالر کمانے کے چکّر میں ملک سے باہر چلا جائے گا۔ پیچھے سے بیوی بچے کیا کرتے ہیں؟ بوڑھے والدین کس حال میں ہیں؟ انہیں بیماری کی حالت میں ڈاکٹر کے پاس کون لے کر جائے گا؟ اُس کی بلا جانے! اس کی اپنی مجبوری ہے‘ مکان بنانا ہے‘ بچوں کو اعلیٰ تعلیم دلوانی ہے‘ ان کی شادیاں کرنی ہیں اور اس سب کچھ کے لیے سرمایہ چاہیے۔ اور ظاہر ہے سرمایہ گھر بیٹھے تو نہیں ملتا‘ نہ ہی حلال کی کمائی سے ملتا ہے۔

اگر کسی کو اللہ تعالیٰ نے دین کی سمجھ اور آخرت کی فکر عطا کی ہے اور وہ حرام سے بچتے ہوئے روکھی سوکھی کھا کر گزارا کرنا چاہتا ہے تو اسے صبح وشام بیوی کے طعنے چین نہیں لینے دیتے کہ تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے‘ تمہیں بچوں کے مستقبل کی فکر بھی نہیں۔ ذرا ہمسائے سے ہی سبق حاصل کر لیتے‘ کیا وہ مسلمان نہیں ہیں؟ وہ تم سے زیادہ نمازیں پڑھتے ہیں‘ ان کی داڑھی بھی تم سے لمبی ہے‘ مگر وہ دین کے ساتھ ساتھ دنیا کو بھی نبھا رہے ہیں۔ ذرا دیکھو ان کے بیوی بچے کیسے عیش کر رہے ہیں اور کون نہیں جانتا کہ یہ سب کچھ اوپر کی کمائی سے ہو رہا ہے۔ اب تم کیا ان سے بھی بڑے دین دار ہو کہ جو سب کچھ ان کے لیے حلال ہے تم اسے اپنے اوپر خواہ مخواہ حرام کر کے بیٹھ گئے ہو؟ وغیرہ وغیرہ۔

آج ہمارے ہاں کے روایتی مسلمانوں کو تو بیوی بچوں کی دشمنی والی یہ بات سمجھ میں نہیں آئے گی‘ لیکن اگر کوئی بندۂ مؤمن اللہ تعالیٰ کی توفیق سے کسی انقلابی تحریک کے کارکن کی حیثیت سے اقامتِ دین کی جدّوجُہد میں مصروف ہے تو اس پر یہ حقیقت بہت جلد واضح ہو جائے گی کہ اس راستے میں بیوی بچوں کی محبّت کس طرح پاؤں کی زنجیر بنتی ہے۔ یہ معاملہ چونکہ بہت نازک اور حساس ہے اس لیے اس سخت حکم کے بعد اگلے جملے میں اس ضمن میں نرمی اختیار کرنے کی ہدایت بھی کی جا رہی ہے۔ قوانین اور احکام کا یہ توازن کلامِ الٰہی کا خاص معجزہ ہے اور اس اعتبار سے یہ

آیت اعجازِ قرآن کی بہت بڑی مثال ہے۔ ایک طرف متنبہ بھی کر دیا کہ تمہیں اپنے اہل وعیال کے معاملے میں سانپ کی طرح ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے۔ ایسا نہ ہو کہ بیوی اور اولاد کی محبّت تمہیں کسی غلط راستے پر ڈال دے۔ لیکن اگلے جملے میں عفو و درگزر کا حکم بھی دے دیا کہ تم اپنے موقف پر قائم رہتے ہوئے اپنے اہل وعیال کے معاملات کو نرمی اور حکمت سے نبٹاؤ۔ ایسا نہ ہو کہ تمہارا گھر صبح وشام میدانِ جنگ کا نقشہ پیش کرنے لگے:

﴿وَاِنۡ تَعۡفُوۡا وَتَصۡفَحُوۡا وَتَغۡفِرُوۡا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ ۝۱۴﴾ ’’اور اگر تم معاف کر دیا کرو اور چشم پوشی سے کام لو اور بخش دیا کرو تو اللہ بہت بخشنے والا‘ نہایت مہربان ہے۔‘‘

اگر تم چاہتے ہو کہ اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ بھی عفو و درگزر کا معاملہ فرمائے تو تم بھی اپنے اہل و عیال کے ساتھ ایسا ہی رویہ اختیار کرو۔ سورۃ النور کی اس آیت میں بھی بالکل یہی اسلوب نظر آتا ہے: ﴿وَلۡيَـعۡفُوۡا وَلۡيَـصۡفَحُوۡا ؕ اَلَا تُحِبُّوۡنَ اَنۡ يَّغۡفِرَ اللّٰهُ لَـكُمۡ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ ۝۲۲﴾ ’’اور چاہیے کہ وہ معاف کر دیں اور درگزر سے کام لیں۔ کیا تم نہیں چاہتے کہ اللہ تمہیں معاف کرے؟ اور اللہ بہت بخشنے والا‘ نہایت مہربان ہے‘‘۔ یہ آیت واقعہ افک کے حوالے سے حضرت ابوبکر صدیق ؓ کے بارے میں نازل ہوئی تھی۔ آپؓ نے اپنے ایک نادار رشتہ دار (حضرت مسطح ؓ) کی کفالت کا ذِمّہ لے رکھا تھا‘ لیکن جب آپؓ کو معلوم ہوا کہ حضرت عائشہ ؓ پر کیچڑ اُچھالنے میں اس کا بھی حصّہ تھا تو آپؓ نے اس کی مدد سے ہاتھ روک لیا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ اگر تم خود اللہ سے معافی کے خواستگار ہو تو تم اسے معاف کر دو۔ بہر حال ان دونوں آیات سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ نہ صرف اللہ تعالیٰ خود بہت معاف اور درگزر کرنے والا ہے بلکہ اپنے بندوں سے بھی وہ ایسے ہی رویّے کو پسند کرتا ہے۔

زیر مطالعہ آیات میں اب تک ایمان کے چار ثمرات کا ذکر ہوا ہے۔ ان میں سے پہلے تین کا تعلق تو ایک فرد کی انفرادی زندگی سے ہے‘ جبکہ چوتھا ثمرہ فرد کے گرد بننے والی اجتماعیت کے پہلے حلقے یعنی اس کے افرادِ خانہ سے متعلق ہے۔ انفرادی سطح کے تین ثمرات کو مَیں نے بندۂ مؤمن کی شخصیت کے چمن میں کھلنے والے خوبصورت پھولوں سے تشبیہہ دی ہے۔ ان میں سے دو پھول تو وہ ہیں جو اس کے دل کے اندر کھلتے ہیں اور باہر سے ہر کسی کو نظر نہیں آتے‘ یعنی خوئے تسلیم و رضا

اور توکل علی اللہ۔ جبکہ تیسرا پھول اللہ اور اُس کے رسولؐ کی اطاعت کا پھول ہے‘ جو شخصیت کے خارج میں کھلتا ہے۔ ظاہر ہے اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ کے حکم میں تو پورے کے پورے دین کا احاطہ ہو جاتا ہے۔ اس لیے معاشرے میں رہتے ہوئے یہ پھول بجا طور پر بندۂ مؤمن کی شخصیت کا طُرّۂ امتیاز بنتا ہے۔

ایمان کے چوتھے ثمرے کا تعلق بندۂ مؤمن کی عائلی زندگی سے ہے۔ اس حوالے سے آیت زیر مطالعہ ہمیں انتہائی متوازن اور معتدل رویّے کا شعور عطا کرتی ہے۔ اس نصیحت پر عمل کرتے ہوئے ہمیں اہل وعیال کی طبعی محبتوں کے منفی اثرات سے ہوشیار بھی رہنا ہے اور ساتھ ہی ساتھ عفو ودرگزر کی حکمتِ عملی اپناتے ہوئے گھر کی فضا کو محاذ آرائی اور نفرت کے تکدر سے محفوظ رکھنے کی کوشش بھی کرتے رہنا ہے —— اب اسی حوالے سے دوسری اصولی اور انتہائی اہم بات:

آیت ۱۵ ﴿اِنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ؕ﴾ ’’تمہارے مال اور تمہاری اولاد تمہارے لیے امتحان ہیں۔‘‘

تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ یہ مال و دولت دنیا‘ یہ رشتہ و پیوند تمہاری آزمائش کا ذریعہ ہیں: ﴿زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ وَالْبَنِيْنَ وَالْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْاَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ؕ﴾ (آل عمران:۱۴)

’’مزین کر دی گئی ہے لوگوں کے لیے مرغوباتِ دنیا کی محبت جیسے عورتیں اور بیٹے اور جمع کیے ہوئے خزانے سونے کے اور چاندی کے اور نشان زدہ گھوڑے اور مال مویشی اور کھیتی‘‘۔ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے دلوں میں یہ محبتیں پیدا ہی ان کو آزمانے کے لیے کی ہیں۔ اس کا تو اعلان ہے کہ میرے جس بندے کے دل میں مجھ تک پہنچنے کی تڑپ ہے‘ اسے ان تمام رکاوٹوں اور آزمائشوں کو عبور کر کے آنا ہوگا: ؎

انہی پتھروں پہ چل کر اگر آ سکو تو آؤ
مرے گھر کے راستے میں کوئی کہکشاں نہیں ہے!

حضور ﷺ کا فرمان ہے:

((حُجِبَتِ النَّارُ بِالشَّهَوَاتِ وَحُجِبَتِ الْجَنَّةُ بِالْمَكَارِهِ))(۵)

۵۔ صحیح الجامع للالبانی‘ ح:۳۱۲۶۔

’’جہنّم کو نفس کی مرغوب چیزوں سے ڈھانپ دیا گیا ہے اور جنّت کو ناپسندیدہ چیزوں سے ڈھانپ دیا گیا ہے۔‘‘

ان ناپسندیدہ چیزوں میں مال و اولاد کی محبتوں کی قربانی سرفہرست ہے۔ آج اگر کسی شخص کے بارے میں آپ یہ معلوم کرنا چاہیں کہ اس کے دل میں کتنا ایمان ہے تو یہ دیکھ لیجیے کہ وہ اپنی اولاد کو کیا بنانا چاہتا ہے۔ بظاہر ایک شخص اگر بہت بڑا عالمِ دین‘ صوفی‘ مسند نشین اور پیرِ طریقت ہے لیکن اپنی اولاد کو وہ ایمان و آخرت کے راستے پر ڈالنے کے بجائے پیسے بنانے والی مشین بنانے کی کوشش میں ہے تو جان لیجیے کہ اس کے باطن میں دین اور دینی اقدار کی کوئی اہمیت نہیں ہے —— اب اس سلسلے کی تیسری بات سنیے:

﴿وَاللّٰهُ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ۝۱۵﴾ ’’اور اللہ ہی کے پاس اجرِ عظیم ہے۔‘‘

تمہارے اعمال کا اصل اجر اور بدلہ تمہیں اللہ تعالیٰ سے ملے گا‘ لہٰذا کسی اور سے کسی اجر کی توقع نہ رکھنا۔ اولاد کے بارے میں بھی مت امید رکھنا کہ وہ تمہارے بڑھاپے کا سہارا بنے گی۔ ہوسکتا ہے یہی اولاد جس کے لیے آج تم اپنا ایمان تک داؤ پر لگانے کو تیار ہو جاتے ہو‘ بڑھاپے میں تمہیں ٹھوکریں مارے اور بعض اوقات اولاد کی زبان کی ٹھوکریں والدین کے لیے ان کی پاؤں کی ٹھوکروں سے بھی زیادہ تکلیف دہ ہوتی ہیں۔ اس تکلیف کی کیفیت اُس باپ سے پوچھیں جس کا بیٹا اس کے سامنے سینہ تان کر کہتا ہے: ابا جان آپ ہمیشہ بے موقع بات کرتے ہیں‘ اس معاملے میں آپ خاموش رہیں‘ آپ کو کیا معلوم کہ زمانہ کہاں سے کہاں چلا گیا ہے!

آیات ۱۶ تا ۱۸

فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ وَاسْمَعُوْا وَاَطِيْعُوْا وَاَنْفِقُوْا خَيْرًا
لِّاَنْفُسِكُمْ ؕ وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝۱۶ اِنْ
تُقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا يُّضٰعِفْهُ لَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ
شَكُوْرٌ حَلِيْمٌ ۝۱۷ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝۱۸

اس سورۂ مبارکہ کی آخری تین آیات ایمان کے عملی تقاضوں کو بالفعل ادا کرنے کی دعوت پر مشتمل ہیں۔

آیت ۱۶ ﴿فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ وَاسْمَعُوْا وَاَطِيْعُوْا﴾ ’’پس اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اپنی حدِ امکان تک‘ اور سنو اور اطاعت کرو‘‘

گویا ایمان باللہ کا عملی تقاضا یہ ہے کہ انسان میں اللہ کا تقویٰ پیدا ہو جائے‘ اور تقویٰ بھی تھوڑا بہت نہیں‘ بلکہ امکانی حد تک‘ جتنا اس کے حدِ استطاعت میں ہے ـــــ البتہ کسی انسان میں کتنی استطاعت و استعداد اور وسعت و طاقت ہے جس کے مطابق وہ مکلّف اور جواب دہ ہے‘ اس کا صحیح شعور و ادراک بسا اوقات اسے خود نہیں ہوتا اور وہ اپنے آپ کو دین کے عملی تقاضوں کے ضمن میں رعایتیں دیتا چلا جاتا ہے‘ حالانکہ انسان کا خالق خوب جانتا ہے کہ اس نے اس میں کتنی استطاعت‘ استعداد اور وسعت رکھی ہے۔ چنانچہ وہ اسی کے مطابق ہر انسان کا محاسبہ اور مؤاخذہ فرمائے گا۔

ایمان کے بیان میں دوسرے نمبر پر ذکر تھا ایمان بالرسالت کا‘ لہٰذا یہاں ایمان کا دوسرا عملی تقاضا ’’سمع و طاعت‘‘ کے حوالے سے بیان ہوا‘ جس کا نقطہ آغاز عملی اعتبار سے رسول اللہ ﷺ کی ذات و شخصیت ہے ـــــ سمع و طاعت کا تعلق اصلاً ایمان باللہ سے ہے‘ لیکن عملاً اس کا تعلق ایمان بالرسالت سے ہے‘ اس لیے کہ اگرچہ مطاعِ حقیقی تو اللہ ہی ہے‘ مگر اللہ کا نمائندہ اور اُس کے اذن سے بالفعل ’’مطاع‘‘ بن کر رسول آتا ہے تو اُس کی اطاعت گویا اللہ کی اطاعت ہی ہے۔ جیسے سورۃ النساء میں فرمایا گیا: ﴿مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ۚ﴾ (آیت ۸۰) ’’جس نے رسولؐ کی اطاعت کی درحقیقت اُس نے اللہ کی اطاعت کی۔‘‘

دوسری بات یہ ہے کہ یہاں پر وَاسْمَعُوْا وَاَطِيْعُوْا کا حکم خصوصی اہمیت کا حامل ہے۔ اس حوالے سے قابلِ غور نکتہ یہ ہے کہ قبل ازیں آیت ۱۲ میں جب وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ کا واضح حکم آ چکا ہے تو اب یہاں کون سی اطاعت کے لیے بلایا جا رہا ہے؟ اس مسئلے کو یوں سمجھیے کہ حضور ﷺ اپنی حیاتِ مبارکہ میں مختلف مواقع پر مختلف امور کے لیے امیر مقرر فرمایا کرتے تھے۔ حضور ﷺ کے مقرر کردہ امیر کی اطاعت بھی متعلقہ اہلِ ایمان پر اسی طرح لازم تھی جیسے کہ خود حضور ﷺ کی اطاعت۔ اس بارے میں حضور ﷺ کا یہ فرمان بہت واضح ہے:

((مَنْ اَطَاعَنِیْ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ، وَمَنْ عَصَانِیْ فَقَدْ عَصَی اللّٰهَ ، وَمَنْ اَطَاعَ اَمِیْرِیْ فَقَدْ اَطَاعَنِیْ ، وَمَنْ عَصٰی اَمِیْرِیْ فَقَدْ عَصَانِیْ))(۶)

۶۔ صحیح البخاری‘ کتاب الجھاد والسیر‘ باب تعامل من وراء الامیر ویتقی بہ۔ و صحیح مسلم‘ کتاب الامارۃ‘ باب وجوب طاعۃ الامراء فی غیر معصیۃ...

’’جس نے میری اطاعت کی اُس نے اصل میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی‘ اور جس نے میری نافرمانی کی اُس نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی۔ اور جس نے میرے (مقرر کیے ہوئے) امیر کی اطاعت کی اُس نے گویا میری اطاعت کی اور جس نے میرے (مقرر کیے ہوئے) امیر کی نافرمانی کی اُس نے گویا میری نافرمانی کی۔‘‘

غزوۂ اُحد میں تیر اندازوں کی جس نافرمانی پر سورۂ آل عمران کی آیت ۱۵۲ میں بھی وعید آئی اور جس کی وجہ سے مسلمانوں کو اجتماعی سزا بھی دی گئی وہ دراصل حضور ﷺ کی براہِ راست نافرمانی نہیں تھی بلکہ آپؐ کے مقرر کردہ کمانڈر کے حکم کی نافرمانی تھی۔ اسی حوالے سے یہاں یہ نکتہ بھی ذہن نشین کر لیجیے کہ امیر کی اطاعت صرف حضور ﷺ کی زندگی میں ہی لازم نہیں تھی بلکہ قیامت تک کے لیے لازم ہے اور آیت زیر مطالعہ میں دراصل اسی اطاعت کا ذکر ہے۔ مطلب یہ کہ دعوت و اقامتِ دین کی جِدّ و جُہد کے مشن کو تو قیامت تک زندہ رہنا ہے۔ ہر زمانے میں اللہ کی مشیت اور توفیق سے اللہ کے بندے اس فریضہ کی ادائیگی کے لیے اٹھتے رہیں گے اور اہلِ ایمان کو دعوت دیتے رہیں گے۔ چنانچہ ہر دور کے اہل ایمان پر لازم ہے کہ جب بھی اللہ کا کوئی بندہ رسول اللہ ﷺ کے مشن کا علمبردار بن کر اٹھے اور مَنْ اَنْصَارِیْۤ اِلَی اللّٰهِ کی صدا بلند کرے تو وہ اس کی بات سنیں۔ پھر اگر ان کا دل گواہی دے کہ اس کی دعوت خلوص و اخلاص پر مبنی ہے تو اُس کی دعوت پر لبیک کہتے ہوئے اس کے اعوان و انصار بنیں اور اس کی اطاعت کریں۔ جیسے ماضی قریب میں سید احمد بریلوی‘ حسن البناء شہید‘ مولانا الیاس اور مولانا مودودی ؒ اپنے اپنے زمانے میں پورے خلوص کے ساتھ دعوت و اقامتِ دین کے علمبردار بن کر کھڑے ہوئے تھے اور بہت سے اہلِ ایمان نے اللہ کی توفیق سے ان کی آواز پر لبیک بھی کہا۔

یہ آیت آج ہم سے بھی تقاضا کرتی ہے کہ ہم ایسے ’’داعی الی اللہ‘‘ کی تلاش میں رہیں۔ پھر اگر ہمارا دل گواہی دے کہ اللہ کا فلاں بندہ واقعی خلوصِ نیت سے رسول اللہ ﷺ کے مشن کو لے کر کھڑا ہوا ہے تو ہمارا فرض ہے کہ ہم اس کی پکار پر لبیک کہیں‘ تاکہ اقامتِ دین کی جِدّ و جُہد کے لیے سمع و طاعت کی بنیاد پر ایک مربوط و مضبوط و منظم جماعت وجود میں آ سکے۔ ظاہر ہے اگر مسلمان خود کو ایک امیر کے تحت ایسی جماعت کی شکل میں منظم نہیں کریں گے تو ان کی حیثیت ایک ہجوم کی سی رہے گی۔ ذرا تصور کریں! ہر سال حج کے لیے لاکھوں مسلمانوں کا جو ’’ہجوم‘‘ اکٹھا ہوتا

ہے‘ اگر یہ لوگ کسی ایک امیر کے تحت ایک جماعت کی شکل میں منظم ہوتے تو ایک عظیم الشان انقلاب برپا کردیتے۔ اس موضوع پر علامہ اقبال کا یہ شعر بہت بصیرت افروز ہے: ؎

عیدِ آزاداں شکوہِ ملک و دیں
عیدِ محکوماں ہجومِ مؤمنیں!

ایمانیات کے ضمن میں آخر میں ایمان بالآخرت کا ذکر تھا‘ جس کا اہم ترین عملی مظہر انفاق فی سبیل اللہ ہے:

﴿وَاَنۡفِقُوۡا خَیۡرًا لِّاَنۡفُسِکُمۡ ؕ﴾ ’’اور خرچ کرو (اللہ کی راہ میں) یہی تمہارے لیے بہتر ہے۔‘‘

﴿وَمَنۡ یُّوۡقَ شُحَّ نَفۡسِہٖ فَاُولٰٓئِکَ ہُمُ الۡمُفۡلِحُوۡنَ ﴿۱۶﴾﴾ ’’اور جو کوئی اپنے جی کے لالچ سے بچالیا گیا تو ایسے ہی لوگ ہوں گے فلاح پانے والے۔‘‘

یعنی جو کچھ بھی اللہ تعالیٰ نے تمہیں دے رکھا ہے وہ اُس کے راستے میں نچھاور کردو۔ جیسا کہ سورۃ الحدید میں فرمایا گیا ہے: ﴿اٰمِنُوۡا بِاللّٰہِ وَرَسُوۡلِہٖ وَاَنۡفِقُوۡا مِمَّا جَعَلَکُمۡ مُّسۡتَخۡلَفِیۡنَ فِیۡہِ ؕ فَالَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا مِنۡکُمۡ وَاَنۡفَقُوۡا لَہُمۡ اَجۡرٌ کَبِیۡرٌ ﴿۷﴾﴾ ’’ایمان لاؤ اللہ پر اور اُس کے رسول (ﷺ) پر اور خرچ کرو اس سب میں سے جس پر اس نے تمہیں خلافت عطا کی ہے۔ تو جو لوگ تم میں سے ایمان لائے اور انہوں نے (اپنے مال و جان کو بھی) خرچ کیا‘ ان کے لیے بہت بڑا اجر ہے۔‘‘

آیت ۱۷ ﴿اِنۡ تُقۡرِضُوا اللّٰہَ قَرۡضًا حَسَنًا یُّضٰعِفۡہُ لَکُمۡ وَیَغۡفِرۡ لَکُمۡ ؕ﴾ ’’اگر تم اللہ کو قرضِ حسنہ دو گے تو وہ اسے تمہارے لیے کئی گنا بڑھا دے گا اور تمہیں بخش دے گا۔‘‘

﴿وَاللّٰہُ شَکُوۡرٌ حَلِیۡمٌ ﴿۱۷﴾﴾ ’’اور اللہ شکور (یعنی قدردان) بھی ہے اور حلیم (یعنی بردبار) بھی۔‘‘

وہ ایسا شکور ہے کہ بندہ جو کچھ بھی اُس کی راہ میں خرچ کرتا ہے وہ اس کی قدر کرتا ہے اور حلیم ایسا ہے کہ اُس کے بار بار ترغیب دلانے کے باوجود بھی اگر کوئی شخص کچھ نہیں دیتا وہ فوری طور پر

اس کی گردن نہیں ناپتا۔

آیت ۱۸ ﴿عٰلِمُ الۡغَیۡبِ وَالشَّہَادَۃِ الۡعَزِیۡزُ الۡحَکِیۡمُ ﴿۱۸﴾﴾ ’’جاننے والا ہے چھپے اور کھلے سب کا‘ وہ بہت زبردست ہے‘ کمال حکمت والا ہے۔‘‘

یعنی وہ غائب و حاضر‘ چھپے اور کھلے سب کا جاننے والا ہے۔ اس میں ایک جانب تقویٰ‘ اطاعت اور انفاق پر کاربند رہنے والے اہل ایمان کے لیے بشارت اور یقین دہانی مضمر ہے کہ وہ مطمئن رہیں کہ ان کی کوئی نیکی ضائع جانے والی نہیں ہے اور دوسری طرف اعراض و انکار کی روش اختیار کرنے والوں کے لیے تہدید و تنبیہہ بھی ہے کہ تمہاری کوئی حرکت اللہ سے پوشیدہ نہیں اور وہ تمہیں کیفرِ کردار تک پہنچانے کے لیے کامل غلبہ و اقتدار کا مالک ہے۔ اس لیے کہ وہ ’’العزیز‘‘ ہے۔ اور اگر وہ تمہاری گرفت فوری طور پر نہیں کر رہا بلکہ تمہیں مہلت اور ڈھیل دیے جا رہا ہے تو یہ اُس کی حکمتِ کاملہ کا مظہر ہے‘ اس لیے کہ جہاں وہ ’’العزیز‘‘ ہے وہاں وہ ’’الحکیم‘‘ بھی ہے۔

نوٹ کیجیے! اس سورت کا اختتام اَلۡعَزِیۡزُ الۡحَکِیۡمُ پر ہو رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے یہ دو اسماء گزشتہ چاروں المُسبِّحات (سورۃ الحدید‘ سورۃ الحشر‘ سورۃ الصف‘ سورۃ الجمعہ) کے آغاز میں آئے ہیں۔ گویا ان اسماء کو المُسبِّحات کے ساتھ خصوصی نسبت ہے۔ چنانچہ زیر مطالعہ سورت (سورۃ التغابن بھی المُسبِّحات میں سے ہے) کے آغاز میں یہ دونوں نام نہیں آئے تو اختتام پر آ گئے ہیں۔

❀❀❀

وضاحت

میثاق جون ۲۰۲۲ء کے شمارے میں پروفیسر یوسف سلیم چشتیؒ کے مضمون ’’قرآن حکیم سے بُعد اور بیگانگی کے اسباب‘‘ میں یہ بات سامنے آئی کہ عربی مدارس میں درسِ نظامی کے دوران پورے قرآن کی تعلیم نہیں دی جاتی۔ تحقیق کرنے پر یہ وضاحت سامنے آئی ہے کہ اب درسِ نظامی میں ترتیب وار پورے قرآن کا ترجمہ و تفسیر پڑھایا جاتا ہے۔ (ادارہ)

رُحَمَآءُ بَیۡنَہُمۡ

ڈاکٹر محمد الیاس☆

زیر نظر مقالہ تنظیم اسلامی کے سالانہ اجتماع منعقدہ ۱۹ تا ۲۱ نومبر ۲۰۲۱ء بمقام مرکزی اجتماع گاہ بہاول پور میں پیش کیا گیا۔ بعدازاں فاضل مقرر نے خود ہی اسے ایک مضمون کی صورت میں مرتب کیا‘ جسے قدرے ایڈیٹنگ کے بعد ہدیۂ قارئین کیا جا رہا ہے۔

نَحْمَدُهٗ وَ نُصَلِّيْ عَلٰى رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ وَ عَلٰى آلِهٖ وَ اَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ ۔ اَمَّا بَعْدُ:

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ۔ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ○

﴿مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ؕ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا ۫ سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ؕ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ ۖۛ وَمَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ ۛ كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْــَٔهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى عَلٰى سُوْقِهٖ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ ؕ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا ۝۲۹﴾ (الفتح)

رَبِّ اشْرَحْ لِيْ صَدْرِيْ وَيَسِّرْ لِيْۤ اَمْرِيْ وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِيْ يَفْقَهُوْا قَوْلِيْ

ایک بڑا دھوکا یہ ہے کہ آج انسان سے زیادہ اہم کام اور چیزیں ہوگئی ہیں اور دوسرا بڑا دھوکا یہ ہے کہ ہم یہ سمجھتے ہیں کہ ہمیں دوسروں کی ضرورت نہیں‘ ہم خود ہی کافی ہیں۔ پوری دنیا میں individualism بہت تیزی سے بڑھ رہا ہے۔ ہر انسان independent زندگی گزارنا چاہتا ہے اور اتنے وسائل‘ اسباب اور ذرائع اکٹھے کر لینا چاہتا ہے کہ اسے کبھی کسی دوسرے کی ضرورت نہ پڑے۔ آج مہنگائی سے بڑا بحران یہ ہے کہ انسان سینکڑوں ٹیلی فونک اور ہزاروں

☆ امیر تنظیم اسلامی حلقہ کراچی جنوبی‘ مدیر تعلیم انجمن خدام القرآن سندھ

سوشل میڈیا روابط ہونے کے باوجود حقیقی تعلق سے محروم ہے۔ آج کا انسان واقف کاروں کے ہجوم میں تنہا زندگی گزار رہا ہے۔ وہ تعلقات کو بوجھ سمجھتا ہے اور آزاد اور من پسند زندگی گزارنے کے لیے ان تعلقات سے جان چھڑانا چاہتا ہے‘ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ اچھے اور مضبوط تعلقات انسان کی ایک اہم ضرورت ہیں۔

دنیا میں دو ہی جماعتیں ہیں: حزبُ اللہ اور حزبُ الشیطان۔ تنظیم اسلامی حزبُ اللہ کا حصہ ہے اور حزبُ اللہ میں شامل افراد کے باہمی تعلق کو قرآن حکیم میں رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ سے تعبیر کیا گیا ہے ___ اللہ تعالیٰ ہم رفقاء کے درمیان رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ والا تعلق پیدا فرما دے ___ اس موضوع پر آٹھ نکات کی روشنی میں بات کرتے ہیں۔

۱) رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ کا معنی و مفہوم

’’رُحَمَاء‘‘ کا مادہ ’’ر ح م‘‘ ہے اور فَعِيْلٌ کے وزن پر اس مادہ سے رَحِيْمٌ بنتا ہے‘ جس کی جمع رُحَمَاءُ ہے‘ جیسے شَهِيْدٌ کی جمع شُهَدَاءُ ہے۔ چنانچہ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ کا معنی ہوا مسلسل ایک دوسرے کے ساتھ رحم کا معاملہ کرنے والے۔

بانی محترمؒ کی ایک مثال: بانیٔ محترم ڈاکٹر اسرار احمدؒ اللہ ربّ العزت کی ان دو صفات الرحمٰن اور الرحیم کے بارے میں فرماتے ہیں کہ دونوں کا مادّہ ایک ہی ہے یعنی ’’ر ح م‘‘ لیکن دونوں کے وزن میں فرق ہے۔ ’’رحمان‘‘ فعلان کے وزن پر ہے جس میں سمندر کا سا جوش و خروش اور ولولہ ہے‘ لیکن ’’رحیم‘‘ فعیل کے وزن پر ہے جس میں میدانی علاقہ کے پُرسکون دریا کا سا تسلسل اور دوام ہے۔ یہ دونوں اللہ تعالیٰ کی صفات ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو ایسا بنایا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی صفات کو appreciate کر سکیں۔

بانی محترمؒ ان دونوں صفات کے فرق کو واضح کرنے کے لیے ایک مثال بیان کرتے تھے کہ اگر ہماری آنکھوں کے سامنے سڑک پر ایک ایکسیڈنٹ ہو جائے جس میں میاں بیوی موقع پر ہلاک ہو جائیں جبکہ ان کا چھوٹا بچہ سڑک پر گرا تڑپ رہا ہو تو اُسے دیکھ کر ہمارے دل میں جو رأفت اور رحمت کے جذبات پیدا ہوتے ہیں یا رحم کا ایک ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر دل میں اُٹھتا ہے اور ہم دوڑ کر بچے کو گود میں اٹھا لیتے ہیں کہ اس کے درد کا درماں بن جائیں‘ یہ گویا رحمان کی صفت کی ایک ذرا سی جھلک ہے جو ہم محسوس کر سکتے ہیں۔ لیکن چند دن اس بچے کو پالنے کے بعد

ہمارا رحمت کا جذبہ آہستہ آہستہ کم ہو جاتا ہے۔ تاہم اگر وہ ٹھاٹھیں مارتا ہوا رحمت کا جذبہ مسلسل رہے تو یہ رحیم کی صفت ہے۔

مفسرین کی تفسیر: اللہ تعالیٰ الرحمٰن بھی ہے اور الرحیم بھی‘ اور اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ یہ جذبہ اُس کو ماننے والوں میں بھی ایک دوسرے کے لیے پیدا ہو جائے۔ مفسرین رحمان اور رحیم کی تفسیر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ رحمان الدنیا اور رحیم الآخرۃ ہے۔ یعنی دنیا میں اللہ کی رحمت عام ہے‘ کوئی مسلمان ہو یا کافر‘ اللہ کو مانتا ہو یا نہ مانتا ہو‘ لیکن اللہ تعالیٰ کی رحمتیں اس کے لیے ہر وقت جاری رہتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے نافرمان بندوں سے عموماً روٹی نہیں چھینتا‘ اُن کا رزق نہیں بند کرتا‘ البتہ یہ ضرور ہے کہ انہیں سجدہ کرنے اور عبادت کرنے کی توفیق نہیں دیتا۔ دنیا میں اللہ کی رحمت عام ہے اور ہر کوئی اس سے فائدہ اٹھا سکتا ہے جبکہ اس کا تسلسل اور دوام اہلِ ایمان کے لیے ہے اور وہ آخرت میں بھی اللہ کی رحمت کے امیدوار اور حق دار ہوں گے۔

اللہ تعالیٰ کے ننانوے اسمائے مبارک بیان ہوتے ہیں اور ان میں سے ایک ’’الرحیم‘‘ ہے۔ اسی طرح حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے اسماءِ گرامی میں سے بھی ایک اسم مبارک ’’رحیم‘‘ ہے۔ اللہ اور رسول دونوں کے لیے رحیم کی صفت بیان ہوئی ہے۔ گویا اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کی جو صفات ہیں ان کا ایک عکس اللہ چاہتا ہے کہ اُس کے بندوں میں بھی ہو۔ مَیں اور آپ اس صفت کو اختیار کریں کہ ہم رُحَمَآءُ بَیۡنَہُمۡ یعنی ایک دوسرے کے لیے انتہائی رحمت کا جذبہ رکھنے والے اور مسلسل رحم کرنے والے بن جائیں۔ آمین!

۲) قرآن کی روشنی میں رُحَمَآءُ بَیۡنَہُمۡ کی اہمیت

صحابہ کرامؓ کی شان: آغاز میں تلاوت کردہ سورۃ الفتح کی آخری آیت میں صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے تقریباً پانچ اوصاف بیان ہوئے ہیں۔ آیت کا رواں ترجمہ ملاحظہ ہو:

> ’’محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں۔ اور جو لوگ اُنؐ کے ساتھ ہیں وہ کُفّار پر بہت سخت اور آپس میں رحیم ہیں۔ تم جب دیکھو گے اُنہیں رکوع و سجود اور اللہ کے فضل اور اس کی خوشنودی کی طلب میں مشغول پاؤ گے۔ ان کی شناخت یہ ہے کہ ان کے چہروں میں سجدوں کے اثرات ہیں۔ یہ ہیں ان کی صفات تورات میں‘ اور انجیل میں اُن کی مثال یوں دی گئی ہے کہ گویا ایک کھیتی ہے جس نے پہلے کونپل نکالی‘ پھر اس کو تقویت دی‘ پھر وہ موٹی ہوئی‘ پھر اپنے تنے پر کھڑی ہوگئی‘ کاشت کرنے والوں کو وہ خوش کرتی ہے‘ تاکہ

> غصہ دلائے ان کی وجہ سے کُفّار کو۔ وعدہ کیا ہے اللہ نے اُن لوگوں سے جو ان میں سے ایمان لائے اور جنہوں نے نیک عمل کیے‘ مغفرت اور اجرِ عظیم کا۔‘‘

حزبُ اللہ کے افراد کیسے ہونے چاہئیں‘ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس حوالے سے ہمارے لیے مشعل راہ اور رول ماڈل ہیں اور ان کی یہ صفات ہم میں بھی مطلوب ہیں۔ اللہ کرے کہ یہ صفات ہم سب کے اندر پیدا ہو جائیں۔ آمین!

متذکرہ بالا آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿مُحَمَّدٌ رَّسُوۡلُ اللّٰہِ ؕ وَ الَّذِیۡنَ مَعَہٗۤ﴾ ’’محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں۔ اور جو لوگ اُن کے ساتھ ہیں۔‘‘ یہ اتنا بڑا اشرف جو صحابہؓ کو حاصل ہوا یہ آپ ﷺ کی صحبت و مصاحبت کا ہی ثمرہ ہے۔ اسی سبب صحابہ کرامؓ نے انبیاء و رسل علیہم السلام کے بعد سب سے عظیم مرتبہ پایا۔

صحابہ کرامؓ کے پانچ اوصاف: اس آیت میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے پانچ اوصاف بیان کیے گئے ہیں:

پہلی صفت: ﴿اَشِدَّآءُ عَلَی الۡکُفَّارِ﴾ ’’کفار پر سخت‘‘۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ ڈانٹ ڈپٹ کرتے تھے یا غصے سے بات کرتے تھے بلکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کُفّار کے لیے نرم چارہ نہیں تھے۔ نہ تو بڑی سے بڑی قیمت یا لالچ انہیں خرید سکتی تھی اور نہ بڑی سے بڑی دھمکی اور خوف انہیں سیدھے راستے سے ہٹا سکتی تھی۔ گویا وہ فولاد کے چنے تھے جن کو چبانے کی کوشش کر کے اپنے دانت تو توڑے جا سکتے تھے‘ لیکن ان کو چبایا نہیں جا سکتا تھا۔

دوسری صفت: ﴿رُحَمَآءُ بَیۡنَہُمۡ﴾ ’’آپس میں ایک دوسرے پر بڑا رحم کرنے والے!‘‘

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ان دونوں صفات کو علامہ اقبال نے کس شان سے بیان فرمایا ہے ؎

ہو حلقۂ یاراں تو بریشم کی طرح نرم
رزمِ حق و باطل ہو تو فولاد ہے مؤمن

تیسری صفت: ﴿تَرٰىہُمۡ رُکَّعًا سُجَّدًا﴾ ’’تم جب دیکھو گے اُنہیں رکوع و سجود میں مشغول پاؤ گے!‘‘ اللہ تعالیٰ کے ساتھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اتنا گہرا تعلق ہے کہ اُس کے سامنے عاجزی و انکساری اختیار کرتے ہیں اور اس تعلق برقرار رکھنے کے لیے اللہ تعالیٰ سے لو لگائے رکھتے ہیں۔

چوتھی صفت: ﴿یَّبۡتَغُوۡنَ فَضۡلًا مِّنَ اللّٰہِ وَ رِضۡوَانًا ۫﴾ ’’وہ اللہ کے فضل اور خوشنودی کی

تلاش میں رہتے ہیں!'' گویا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا مشن اللہ تعالیٰ کی رضا کا حصول تھا۔

پانچویں صفت: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی علامت اور نشانی تورات‘ انجیل اور قرآن میں یوں بیان فرمائی گئی: ﴿سِيمَاهُمْ فِي وُجُوهِهِمْ مِنْ أَثَرِ السُّجُودِ ۚ﴾ ''ان کی شناخت ان کے چہروں پر سجدوں کے اثرات ہیں!'' جن سے وہ الگ پہچانے جاتے ہیں۔ سجدہ کرنے سے جو ماتھے پر عموماً نشان پڑ جاتا ہے‘ یہاں وہ مراد نہیں ہے بلکہ سجدوں سے جو روحانیت حاصل ہوتی ہے اور چہرے پر نورانی اثرات آتے ہیں یہ ان کی علامت بن جاتے ہیں۔

آیت کے آخر میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ترقی کی حکمت بیان ہوئی کہ انہیں پھلتے پھولتے اور ترقی کرتے دیکھ کر رسول اللہ ﷺ خوش ہوں اور کفار کو غصہ اور صدمہ پہنچے۔

پھلا پھولا رہے یا ربّ چمن میری امیدوں کا
جگر کا خون دے دے کر یہ بوٹے میں نے پالے ہیں!

اللہ کے محبوب بندوں کے چھ اوصاف: سورۃ الفتح کی آخری آیت میں تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے پانچ اوصاف بیان کیے گئے ہیں‘ جبکہ سورۃ المائدہ میں اللہ کے محبوب بندوں کے چھ اوصاف بیان فرمائے گئے ہیں:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا مَنْ يَرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِينِهِ فَسَوْفَ يَأْتِي اللَّهُ بِقَوْمٍ يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهُ أَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ أَعِزَّةٍ عَلَى الْكَافِرِينَ يُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلَا يَخَافُونَ لَوْمَةَ لَائِمٍ ۚ ذَٰلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ ۚ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ﴿٥٤﴾﴾ (المائدۃ)

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اگر تم میں سے کوئی اپنے دین سے پھرتا ہے (تو پھر جائے) اللہ اور بہت سے لوگ ایسے پیدا کر دے گا کہ اللہ اُن سے محبت کرے گا اور وہ اللہ سے محبت کریں گے‘ جو مؤمنوں پر نرم اور کفار پر سخت ہوں گے‘ جو اللہ کی راہ میں جہاد کریں گے اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہ ڈریں گے۔ یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہتا ہے عطا کرتا ہے۔ اور اللہ وسیع ذرائع کا مالک ہے اور سب کچھ جانتا ہے۔''

پہلی صفت: اس آیت میں اللہ کو مطلوب اہل ایمان کی پہلی صفت بیان ہوئی ﴿يُحِبُّهُمْ﴾ ''اللہ ان سے محبت کرے گا!'' یہ صفت شاید ہمارے اختیار میں نہیں‘ لیکن باقی صفات پر ہم عمل کریں تو پہلی صفت بھی ہمیں حاصل ہو سکتی ہے۔ اور غور کیجیے گا کہ یہ ساری صفات ایک دوسرے کی

تکمیل (complement) کرتی ہیں۔

دوسری صفت: ﴿وَيُحِبُّونَهُ﴾ ''اور وہ اللہ سے محبت کریں گے!'' پہلی چیز کہ اللہ ہم سے محبت کرنے لگے‘ یہ تو ہمارے اختیار میں براہِ راست نہیں ہے‘ لیکن اگر ہم اللہ سے محبت کرنے لگیں تو پھر امید ہے اللہ بھی ہم سے محبت کرنے لگے گا۔

تیسری صفت: ﴿أَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ﴾ ''وہ نرم ہوں گے مؤمنین پر‘‘

چوتھی صفت: ﴿أَعِزَّةٍ عَلَى الْكَافِرِينَ﴾ ''سخت ہوں گے کافروں پر!'' جتنی اللہ سے زیادہ محبت ہوگی اتنی ہی اللہ کو ماننے والوں سے محبّت ہوگی اور ان کے لیے نرمی اور رحمت ہوگی۔ اور اتنی ہی زیادہ اللہ کے دشمنوں سے نفرت ہوگی اور ان کے لیے شدّت ہوگی۔

پانچویں صفت: ﴿يُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ﴾ ''وہ جہاد کریں گے اللہ تعالیٰ کی راہ میں۔''

چھٹی صفت: ﴿وَلَا يَخَافُونَ لَوْمَةَ لَائِمٍ﴾ ''اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے خوفزدہ نہیں ہوں گے۔''

یہ مطلوبہ صفات ہیں‘ دعا فرمائیے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کے اندر یہ صفات پیدا فرما دے۔ آمین!

رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ کی روح: سورۃ الحجرات میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ﴾ (آیت ۱۰) ''بے شک مؤمن آپس میں بھائی بھائی ہیں۔'' اگر کہیں دو سگے بھائی آپس میں لڑ پڑیں‘ باہم دست و گریباں ہوں‘ تو ہر آدمی کو بُرا لگتا ہے کہ سگے بھائی ہو کر لڑ رہے ہیں۔ حزبُ اللہ کے افراد کے درمیان کلمہ کا رشتہ تو خون کے رشتوں سے بڑھ کر ہے اور اس میں تو محبّت اور اخوت اور بھی زیادہ مطلوب ہے۔ چنانچہ فرمایا کہ مؤمن تو آپس میں بھائی بھائی ہیں‘ اس لیے بھائیوں کو لڑتے نہیں چھوڑ دینا چاہیے‘ بلکہ ان کے درمیان صلح کروا دینی چاہیے۔

قرابت داروں کا حق: سورۂ بنی اسرائیل کی آیت ۲۶ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَآتِ ذَا الْقُرْبَىٰ حَقَّهُ﴾ ''قرابت داروں کو ان کا حق دو۔'' گویا جو جتنا قریبی ہے اُس کا ہم پر اتنا زیادہ حق ہے۔ اسی طرح جو اللہ کے ساتھ‘ اُس کے رسول ﷺ کے ساتھ‘ اہلِ ایمان کے ساتھ قریب ہے‘ تنظیم کا رفیق ہے تو ان سے ہمارا بھی تعلق اتنا ہی زیادہ گہرا اور شدید ہونا چاہیے۔

سیسہ پلائی ہوئی دیوار: سورۃ الصّف میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِهِ صَفًّا كَأَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَرْصُوصٌ ﴿٤﴾﴾ ''بے شک اللہ محبت کرتا

ہے اُن لوگوں سے جو اُس کی راہ میں صفیں بنا کر لڑتے ہیں گویا سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہوں۔‘‘

آج سیسہ پلائی ہوئی دیوار کو metal reinforced concrete wall کہتے ہیں۔ یہ مضبوط ترین دیوار ہے جس کا انسان تصوّر کر سکتا ہے۔ عموماً ایسی دیوار کسی طاقتور دریا کے آگے بند باندھنے کے لیے استعمال ہوتی ہے۔ کرش کو کنکریٹ کے ساتھ ملا کر انتہائی مضبوط دیوار بنائی جاتی ہے‘ پھر اس دیوار میں موجود رخنوں اور شگافوں کو پُر کرنے کے لیے دھات کو پگھلا کر اوپر سے ڈالا جاتا ہے۔ لیکن اہلِ ایمان کو آپس میں جوڑنے کا ذریعہ قرآن ہے جسے تھام کر اہلِ ایمان ایک دیوار بن جاتے ہیں۔ پھر اس دیوار کو سیسہ پلائی ہوئی دیوار بنانے اور دھات جیسی مضبوطی لانے کے لیے رُحَمَآءُ بَیْنَهُمْ کا جذبہ درکار ہوتا ہے۔ یہ جذبہ جتنا زیادہ ہوگا‘ جتنی زیادہ ہمیں آپس میں محبت ہوگی‘ ایک دوسرے کے لیے مسلسل رحمت کا معاملہ ہوگا‘ اتنا ہی ہم سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن جائیں گے۔

ذرا تصور کریں کہ ہم اللہ کی راہ میں صفیں بنائے کھڑے ہوں اور ہمارے دونوں طرف وہ لوگ موجود ہوں جو ہم سے محبّت کرتے ہوں اور ہم ان سے محبت کرتے ہوں تو اندازہ کریں کہ ہمیں کتنی تقویت حاصل ہوگی۔ بنسبت اس کے کہ ہمارے دائیں بائیں ایسے لوگ ہوں جن سے صرف واجبی سا تعلق ہو۔ اس لیے یہ سیسہ پلائی ہوئی دیوار والا تصور ذہن میں آتا ہی اس وقت ہے جب ہمارے درمیان رُحَمَآءُ بَیْنَهُمْ کی بھرپور کیفیت ہو۔

۳) احادیثِ نبوی ﷺ کی روشنی میں رُحَمَآءُ بَیْنَهُمْ کی اہمیت

(۱) باہمی محبت اللہ کی محبّت کے حصول کا ذریعہ ہے:

((قَالَ اللّٰہُ تَبَارَکَ وَتَعَالٰی : وَجَبَتْ مَحَبَّتِیْ لِلْمُتَحَابِّیْنَ فِیَّ وَالْمُتَجَالِسِیْنَ فِیَّ وَالْمُتَزَاوِرِیْنَ فِیَّ وَالْمُتَبَاذِلِیْنَ فِیَّ)) (موطا امام مالک)

’’اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا کہ میری محبت واجب ہوگئی ان لوگوں کے لیے جو میری وجہ سے باہم محبت کرتے ہیں‘ میری وجہ سے باہم مل بیٹھتے ہیں‘ میری وجہ سے ایک دوسرے سے ملاقات کو جاتے ہیں‘ اور میری وجہ سے ایک دوسرے پر خرچ کرتے ہیں۔‘‘

(۲) باہمی محبت سایہ عرشِ الٰہی کے حصول کا ذریعہ ہے:

((اِنَّ اللّٰہَ یَقُوْلُ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ: اَیْنَ الْمُتَحَابُّوْنَ بِجَلَالِیْ‘ اَلْیَوْمَ اُظِلُّھُمْ فِیْ ظِلِّیْ یَوْمَ لَا ظِلَّ اِلَّا ظِلِّیْ)) (صحیح مسلم)

’’اللہ تعالیٰ قیامت کے روز فرمائے گا: کہاں ہیں میری عزّت وجلال کی خاطر باہم محبّت کرنے والے؟ آج کے دن مَیں ان کو اپنے سائے میں جگہ دوں گا جبکہ کوئی اور سایہ نہیں ہے سوائے میرے سائے کے۔‘‘

(۳) باہمی محبّت جنّت کے حصول کا ذریعہ ہے:

((وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ لَا تَدْخُلُوْنَ الْجَنَّۃَ حَتّٰی تُؤْمِنُوْا وَلَا تُؤْمِنُوْا حَتّٰی تَحَابُّوْا))

’’مجھے اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے‘ تم جنّت میں نہیں داخل ہو سکتے جب تک ایمان والے نہ بن جاؤ اور تم اُس وقت تک ایمان والے نہیں بن سکتے جب تک آپس میں محبّت نہ کرنے لگو۔‘‘ (صحیح مسلم)

(۴) تمام مسلمان ایک جسم کی مانند ہیں:

((مَثَلُ الْمُؤْمِنِیْنَ فِیْ تَوَادِّھِمْ وَتَرَاحُمِھِمْ وَتَعَاطُفِھِمْ مَثَلُ الْجَسَدِ)) (صحیح مسلم)

’’اہلِ ایمان کی مثال باہمی محبت اور لطف وکرم میں ایک جسم کی سی ہے۔‘‘

خنجر چلے کسی پہ تڑپتے ہیں ہم امیرؔ
سارے جہاں کا درد ہمارے جگر میں ہے!

(۵) اللہ تعالیٰ کے لیے محبّت کرنا ایمان کی سب سے زیادہ مضبوط گرہ ہے:

((یَا اَبَا ذَرٍّ اَیُّ عُرَی الْاِیْمَانِ اَوْثَقُ؟ اَلْمُوَالَاۃُ فِی اللّٰہِ ‘ وَ الْمُعَادَاۃُ فِی اللّٰہِ ‘ وَالْحُبُّ فِی اللّٰہِ ‘ وَالْبُغْضُ فِی اللّٰہِ)) (الجامع الصغیر)

’’اے ابوذر! کیا تم جانتے ہو کہ ایمان کی سب سے زیادہ مضبوط گرہ کون سی ہے؟ اللہ کے لیے دوستی رکھنا‘ اللہ کے لیے دُشمنی رکھنا‘ اللہ کے لیے محبّت کرنا‘ اور اللہ کے لیے نفرت کرنا۔‘‘

۴) اچھے اور مضبوط باہمی تعلقات کیوں ضروری ہیں؟

آج کسی سے پوچھا جائے کہ آپ کی بڑی ضرورتیں کیا ہیں؟ تو پیسہ‘ کاروبار‘ مکان‘ گاڑی وغیرہ تو سب کہیں گے۔ لیکن اکثر لوگ یہ نہیں جانتے کہ اچھے تعلقات بھی ہماری ضرورت ہیں۔

(۱) انسان کا فطری جوہر اچھے تعلقات ہیں: جس طرح ممکن نہیں ہے کہ برف موجود ہو لیکن ٹھنڈک نہ ہو اور آگ موجود ہو مگر تپش نہ ہو‘ اسی طرح انسان کے لیے اچھے تعلقات لازمی ولابدی ہیں۔

(۲) تعلقات نبھانا ہماری ضرورت ہے: انسان کی شخصیت کی تکمیل تعلقات نبھانے سے ہوتی ہے‘ جیسا کہ نبی اکرم ﷺ ہمارے لیے رول ماڈل ہیں اور آپ ﷺ ہر کردار میں بہترین مثال ہیں‘ مثلاً بہترین پوتے‘ بہترین بھتیجے‘ بہترین شوہر‘ بہترین باپ‘ بہترین پڑوسی‘ بہترین سپہ سالار‘ بہترین راہنما‘ بہترین استاذ اور بہترین میزبان ہیں۔ ہمیں بھی اپنے سب کرداروں میں بہترین بننے کی کوشش کرنی چاہیے۔ تمام تعلقات کو اچھے طریقہ سے نبھانے کی خوبی ہی انسان کی شخصیت کو مکمل کرتی ہے۔

(۳) اچھے تعلقات نہ ہونا بڑی محرومی ہے: ہمارا کوئی ایسا ہونا چاہیے جس سے محبّت کی جائے‘ جس کی خدمت کی جائے‘ جس سے ملاقات کی جائے‘ جس کو خوش کیا جائے‘ جس کے لیے کام کو چھوڑا جائے‘ وقت نکالا جائے‘ بھاگ دوڑ کی جائے‘ قربانی اور ایثار کیا جائے۔ ایسے تعلقات ہماری ضرورت ہیں اور اگر ہم ان جذبات کو استعمال نہیں کریں گے تو ان کے سوتے خشک ہوجائیں گے اور یہ چشمے سوکھ جائیں گے۔ آج بغیر سبب اور مقصد کے ملاقات عجیب سمجھی جاتی ہے اور کسی خوشی یا غمی کے موقع پر ہی ملاقات کی جاتی ہے‘ حالانکہ گاہے بگاہے بے سبب ملاقات اچھے تعلقات کا ذریعہ ہے۔

(۴) اچھے تعلقات ہماری نفسیاتی صحت کے ضامن ہیں: اچھے اور مضبوط تعلقات ہماری نفسیاتی صحت کے لیے بھی ضروری ہیں۔ نفسیاتی لحاظ سے وہ آدمی صحت مند ہے جو خوش وخرم ہو‘ نہ جلد ناراض ہوتا ہو اور نہ دوسروں کو ناراض کرتا ہو۔ نفسیاتی پیچیدگیوں کی علامات عموماً جسمانی اعضاء اور ان کی کارکردگی کو متاثر کرنے کے بجائے زیادہ تر مریض کی سوچ‘ احساسات اور رویوں میں ظاہر ہوتی ہیں۔ لاتعلقی یا کمزور تعلقات رکھنے والا انسان بے چینی‘ اداسی یا گھبراہٹ محسوس کرنے لگتا ہے اور انہی کیفیات کو طبی زبان میں اینگزائٹی (ذہنی دباؤ) اور ڈپریشن (بلاوجہ افسردگی) کہا جاتا ہے۔

(۵) تعلقات نبھانا بندگی ٔربّ کا تقاضا ہے: اچھے اور مضبوط تعلقات کے بغیر اللہ کی بندگی کے تقاضے نہیں نبھائے جاسکتے۔ صلہ رحمی اور حقوق العباد کی ادائیگی بھی اللہ کا حکم اور ہمارے دین کا مطالبہ ہے۔ رفقاء کے ساتھ اچھے تعلقات بنا کر رکھنا بھی بندگی ٔربّ کا تقاضا ہے۔

(۶) تعلقات نبھانا دینداری کا عملی مظاہرہ ہے: رشتہ داروں‘ پڑوسیوں اور ساتھیوں سے اچھے

تعلقات بنا کر رکھنا دین داری کے تقاضوں کا عملی مظاہرہ (practical demonstration) ہے۔ اسی سے پتا چلتا ہے کہ آدمی میں کتنا تقویٰ اور کتنا ایثار وقربانی کا جذبہ ہے اور وہ اپنی اور اپنے پیاروں کی اُخروی کامیابی کے لیے کتنا فکرمند ہے۔

(۷) اچھے تعلقات مربی کی اوّلین ضرورت ہیں: اولاد اور متربیین کی تربیت کے لیے لازمی شرط (non-negotiable prerequisite) یہ ہے کہ ہمارا ان سے اچھا تعلق ہو۔ امام مالکؒ کا قول ہے:

يَنْبَغِي لِلرَّجُلِ أَنْ يُحْسِنَ إِلَى أَهْلِ دَارِهِ حَتّٰى يَكُوْنَ أَحَبَّ النَّاسِ إِلَيْهِمْ

’’کسی آدمی کے لیے مناسب ہے کہ وہ اپنے گھر والوں کے ساتھ اچھا سلوک کرے یہاں تک کہ وہ اپنے گھر والوں کے نزدیک سب انسانوں سے زیادہ پسندیدہ بن جائے۔‘‘

کیونکہ جو انسان پسند ہوتا ہے آدمی اُس کی عزّت کرتا ہے‘ اُس کی بات سنتا ہے‘ اُس کی خواہش کو اہمیت دیتا ہے اور اُس کی توقع پر پورا اُترنے کی کوشش کرتا ہے۔

۵) اچھے اور مضبوط تعلقات کیسے بنائے جاتے ہیں؟

اچھے تعلقات رفقاء کو اہمیت دینے‘ رفقاء کو وقت دینے‘ رفقاء کا ساتھ دینے‘ رفقاء کے مسائل حل کرنے کی کوشش کرنے سے بنتے ہیں‘ لیکن کام کا آغاز اپنے آپ سے کرنا ہوتا ہے۔

(۱) اپنے مزاج پر کام کرنا یعنی خوش مزاج بننا: لوگوں سے اچھے تعلقات کے لیے خوش مزاج ہونا بہت ضروری ہے۔ خوش مزاجی ہمارا وہ اچھا رویّہ ہے جو لوگ پسند کرتے ہیں جبکہ بدمزاجی ہمارا وہ برا رویّہ ہے جو لوگ ناپسند کرتے ہیں۔ اکثر لوگ پبلک لائف میں خوش مزاج اور پرائیویٹ لائف میں بدمزاج ہوتے ہیں۔ بعض مرتبہ بدمزاج لوگ بھی کسی مطلب کی خاطر تھوڑی دیر کے لیے خوش مزاج بن جاتے ہیں۔ ہمیں اپنا احتساب کرتے رہنا چاہیے اور اپنے مزاج پر نظر رکھنی چاہیے۔ اس حوالے سے ہم اپنے ساتھیوں سے پوچھ سکتے ہیں کہ ہمارا اکثر اور عمومی مزاج کیسا رہتا ہے۔ وہ ہمیں بتائیں گے کہ عمومی طور پر ہم مسکراتے ہوئے چہرے کے ساتھ ہوتے ہیں یا ہمارے چہرے پر ناگواری کے تاثرات ہوتے ہیں۔ کامیابی یہ ہے کہ ہم اکثر وبیشتر لوگوں سے خوش مزاجی سے پیش آئیں۔ ہمیں اس کے لیے اللہ سے دعا کرنی چاہیے اور اپنے مزاج کو عموماً خوش گوار رکھنے کی کوشش کرنی چاہیے۔

اس ضمن میں یاد رکھیں کہ نرم مزاج ہونا اللہ کی رحمت میں سے ہے‘ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ ۚ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ ۠ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ ۚ فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ ۝۱۵۹﴾ (آل عمران)

’’(اے نبی ﷺ!) پس اللہ کی رحمت کے سبب آپ ان کے ساتھ نرم برتاؤ کرنے والے ہیں‘ اور اگر آپ تندخو اور سخت دل ہوتے تو وہ آپ کے گرد سے بھاگ جاتے۔ پس انہیں معاف کر دیجیے اور ان کے لیے بخشش مانگیں اور ان سے مشورہ لے لیا کریں ہر امر میں۔ پھر جب آپؐ پختہ ارادہ کر لیں تو اللہ پر بھروسہ کریں۔ بے شک اللہ توکل کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔‘‘

اگر امیر میں نرم مزاجی کی صفت نہیں ہوگی تو رفقاء اس سے کنارہ کش ہو جائیں گے‘ جس کا نقشہ علامہ اقبال نے یوں کھینچا ہے ؎

کوئی کارواں سے ٹوٹا‘ کوئی بدگماں حرم سے
کہ امیر کارواں میں نہیں خوئے دل نوازی!

اس حوالے سے یہ بات بھی ذہن میں رہے کہ مسکرانا سُنّتِ نبوی ﷺ ہے۔ حضرت عبداللہ بن حارث ؓ فرماتے ہیں:

مَا رَأَيْتُ أَحَدًا أَكْثَرَ تَبَسُّمًا مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (الترمذی)

’’مَیں نے رسول اللہ ﷺ سے زیادہ کسی کو مسکراتے ہوئے نہیں دیکھا۔‘‘

مسکرانا انسان کے اپنے مزاج کو بہتر کرنے کا بہت بڑا ذریعہ ہے اور مسکرانے سے دوسروں پر بھی مثبت اثرات پڑتے ہیں۔ مسکرانا اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا شکر ادا کرنے کا اظہار بھی ہے اور لوگوں کے اعصابی تناؤ (stress) اور فکر و پریشانی دور کرنے کا ذریعہ بھی ہے۔

ہنسی تھمی ہے ان آنکھوں میں یوں نمی کی طرح
چمک اٹھے ہیں اندھیرے بھی روشنی کی طرح

(۲) ساتھیوں کو غیر مشروط عزّت دینا: عام طور پر ہم دوسروں کو عزّت تب دیتے ہیں جب وہ ہم سے سٹیٹس میں یا عہدے میں بڑے ہوں یا مال و دولت ہم سے زیادہ رکھتے ہوں۔ ہم دوسروں کا دینی مقام و مرتبہ بھی دیکھتے ہیں کہ وہ مدرّس ہو‘ حافظ ہو‘ عالم یا مفتی ہو‘ یا وہ مجھ سے زیادہ علم

والا ہو۔ ہم ایسی شرائط لگانے کے بعد ہی کسی کو عزّت دیتے ہیں حالانکہ ہمارے تو سارے تعلقات اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں۔ عام رفقاء بھی ہمارے لیے معزّز اور محترم ہونے چاہئیں‘ ان کی بھی ہمیں عزّت کرنی چاہیے‘ اس لیے بھی کہ یہ ہمارے اپنے تزکیۂ نفس کے لیے فائدہ مند ہے۔ یہ ہمارے لیے ایک اچھا موقع ہے اور اسی طرح ہم رُحَمَآءُ بَیْنَہُمْ کی کیفیت حاصل کر سکتے ہیں کہ ہم سب رفقاء کو غیر مشروط عزّت دیں۔ جو اللہ کا پیارا ہے وہ ہمارا پیارا ہے‘ اس سے ہمیں محبّت ہے کیونکہ ہماری محبّت اللہ کے لیے ہے۔

(۳) ساتھیوں پر اعتماد کرنا: کسی کو اچھی طرح سمجھنے اور جاننے کے بعد اس سے جائز اور مثبت توقعات قائم کرنے کو اعتماد کرنا کہتے ہیں۔ اعتماد کرنا بھی تعلق (relationship) کی تعمیر کرتا ہے۔ لیکن اگر منفی توقعات ہوں تو یہ تعلقات کو کم کرتی ہیں یا ختم کر دیتی ہیں۔ عموماً لوگ پہلے کسی سے ناامید ہو جاتے ہیں اور پھر اس سے توقعات رکھنا چھوڑ دیتے ہیں۔ بہتر طرزِ عمل یہ ہے کہ لوگوں سے مایوس ہوئے بغیر ان سے توقعات نہ رکھی جائیں یا کم سے کم توقعات رکھی جائیں۔

(۴) ساتھیوں کو تعلق کی گرمجوشی کا احساس دلانا: ہم لوگ اپنے جذبات کا اظہار کرنے میں بڑے کمزور ہیں‘ ہم محبّت کا اظہار نہیں کر پاتے۔ صحابہ کرام ؓ میں یہ بات تھی کہ وہ ایک دوسرے کو کہتے تھے کہ مَیں اللہ کے لیے تم سے محبّت کرتا ہوں تو دوسرا جواب دیتا تھا کہ جس کے لیے تم مجھ سے محبّت کرتے ہو وہ ذاتِ عالی تم سے محبّت کرے۔ ہمیں ساتھیوں سے اپنے تعلق کا گرم جوشی سے اظہار کرنا چاہیے۔ اس کا اظہار زیادہ تر غیر لسانی (nonverbal) طرزِ عمل سے ہوتا ہے۔ اس حوالے سے ہمیں سیرتِ طیبہ کا مطالعہ کرنا چاہیے۔ نبی کریم ﷺ سلام میں پہل کرتے تھے‘ آپؐ گرم جوشی سے مصافحہ کرتے تھے‘ بعض دفعہ اپنے صحابہؓ کا کھڑے ہو کر استقبال کرتے‘ بعض دفعہ گلے لگاتے‘ معانقہ کرتے تھے‘ صحابہؓ کے ماتھے پر بوسہ دیتے تھے۔ بعض مرتبہ آپ ﷺ اپنی جگہ سے اٹھ کر اپنے ساتھی کو اس جگہ بٹھا دیتے تھے جہاں خود بیٹھے ہوتے تھے۔ یہ سب تعلق کی گرم جوشی کے اظہار کے انداز ہیں‘ اس سے ساتھیوں کے لیے محبّت کا اظہار ہوتا ہے۔

سیرتِ نبوی ﷺ سے ایک واقعہ: ایک مرتبہ حضرت زاہر ؓ بازار میں اپنا کوئی سامان بیچ رہے تھے‘ اتنے میں نبی اکرم ﷺ وہاں سے گزرے۔ آپ ﷺ نے پیچھے سے آ کر ان کو

اس طرح پکڑ لیا کہ وہ آپ ﷺ کو نہ دیکھ سکے۔ حضرت زاہرؓ گھبرا کر کہنے لگے: ''ارے چھوڑو مجھے! کون ہے؟'' تھوڑی دیر بعد حضرت زاہرؓ نے پہچان لیا کہ یہ نبی اکرم ﷺ ہیں‘ تو وہ اور زیادہ اپنے آپ کو نبی ﷺ کے سینہ مبارک سے چمٹانے لگے۔ نبی ﷺ نے (مزاحاً) فرمایا: ''کون اس غلام کو خریدے گا؟'' حضرت زاہرؓ کہنے لگے: ''اے اللہ کے رسول ﷺ! اگر آپ مجھے بیچ دیں گے تو کھوٹا پائیں گے۔'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''مگر اللہ کے نزدیک تم کھوٹے نہیں ہو!'' (صحیح ابن حبان)

ذرا سوچیے‘ کہ حضرت زاہر رضی اللہ عنہ کو آپ ﷺ کے اس محبّت بھرے انداز سے کتنی خوشی ملی ہوگی‘ ان کا کتنا خون بڑھا ہوگا‘ کتنا ان کا دل بڑا ہوا ہوگا‘ کیونکہ آپ ﷺ کے اس طریقے سے آپ ﷺ کی محبت اور گرم جوشی کا اظہار ہوتا ہے۔ اس کے لیے کچھ زیادہ نہیں کرنا پڑتا‘ بس ساتھیوں کو دیکھ کر مسکرانا‘ تھوڑا سا سرک جانا کہ آپ ان کے لیے جگہ بنا رہے ہیں‘ ساتھیوں سے گرم جوشی سے ہاتھ ملانا‘ کبھی کبھی معانقہ کرنا۔ یہ غیر لسانی (nonverbal) اظہار ہوتا ہے جو زبان سے کیے جانے والے اظہار سے زیادہ مؤثر ہوتا ہے۔ یہ body language ہوتی ہے جو آپ کی محبّت اور اپنائیت کا اظہار بن جاتی ہے۔

(۵) ساتھیوں کو سمجھانے سے زیادہ سمجھنے کی کوشش کرنا: ہمیں اپنے ساتھیوں کو سمجھانے میں بیس فیصد اور سمجھنے میں اسّی فیصد کوشش اور وقت لگانا چاہیے۔ اچھے تعلق کے لیے ساتھیوں کے حالات سے واقف ہونا‘ ان کے مسائل کو جاننا اور ان کی صلاحیتوں کے صحیح ادراک کی ضرورت ہے۔ اس کے بغیر ساتھیوں سے مضبوط تعلق قائم نہیں کیا جا سکتا۔

(۶) ساتھیوں سے مکالمہ کرنا: ساتھیوں سے مکالمہ کرنا یا discussion کرنا تعلق پیدا کرتا ہے اور تعلق مکالمہ کو گہرائی میں لے جانا آسان بنا دیتا ہے۔ جتنی اچھی علمی استعداد ہوگی‘ اتنا فکری مکالمہ کرنا ممکن ہوگا۔ مکالمہ کا مقصد یہ ہے کہ نظریات کو ساتھیوں کے ذہن میں اُگایا جائے‘ تصوّرات کی آبیاری (cultivation of concepts) کی جائے‘ مگر نظریات کو ان کے ذہن میں ٹھونسا نہ جائے۔

۶) اچھے اور مضبوط باہمی تعلقات کے درجات و علامات

پہلا درجہ: ایک دوسرے کی موجودگی کو خندہ پیشانی سے گوارا کرنا: ہمیں کیسے اندازہ ہو کہ ہمارا

ساتھیوں سے تعلق کیسا ہے؟ کم سے کم تعلق یہ ہوتا ہے کہ ایک دوسرے کی موجودگی کو خندہ پیشانی سے گوارا کیا جائے۔ اگر تعلق بگڑ جائے تو ایک دوسرے کی موجودگی گوارا نہیں ہوتی‘ ایک آتا ہے تو دوسرا اُٹھ کر چلا جاتا ہے۔ دونوں ایک دوسرے کے ساتھ بیٹھنا پسند نہیں کرتے۔ اگر بیٹھ بھی جائیں تو لڑائی جھگڑا شروع کر دیتے ہیں‘ ایک دوسرے پر تنقید یا طنز واستہزاء کرتے ہیں۔ اس سے تعلق خراب ہو جاتا ہے‘ غیبت سننا آسان ہو جاتی ہے‘ اور اگر تعلق مزید کمزور پڑے تو پھر اس کی غیبت کرنا آسان ہو جاتی ہے۔ کم سے کم تعلق ہونے کی علامت یہ ہے کہ ایک دوسرے کے ساتھ بیٹھنا گوارا کر لیں۔

دوسرا درجہ: ایک دوسرے سے اپنی بات سہولت سے کرنے کے قابل ہو جانا: اچھے تعلق کے دوسرے درجہ کی علامت یہ ہے کہ آدمی اپنی بات سہولت سے کرنے اور دوسرے کی بات سہولت سے سننے کے قابل ہو جائے۔ ورنہ اگر تعلق اچھا نہیں ہوتا تو بات دل کے اندر ہی رہتی ہے اور آدمی سوچتا ہی رہ جاتا ہے کہ کہوں یا نہ کہوں؟

تیسرا درجہ: ایک دوسرے پر اعتماد کرنے کے قابل ہو جانا: یعنی ایک دوسرے کو اچھی طرح سننے کے بعد ایک دوسرے سے مثبت اور جائز توقعات قائم کرنا۔ اس طرح بہت سارے مددگار دوست مل جاتے ہیں‘ انسان کی تنہائی دور ہو جاتی ہے۔ بہت سارے ساتھی ہمارے دست و بازو بن جاتے ہیں۔ یہ ایک بہت بڑی دولت ہے جو ہمیں حاصل ہو جاتی ہے۔

چوتھا درجہ: ایک دوسرے سے مشورہ کرنا: اچھے تعلق کا چوتھا درجہ ایک دوسرے سے مشورہ کرنا ہے۔ آدمی اپنی ذاتی زندگی سے متعلق معاملات میں مشورہ اسی سے کرتا ہے جس سے اس کا اچھا اور مضبوط تعلق ہوتا ہے‘ جس پر اعتماد ہوتا ہے‘ جسے وہ سمجھتا ہے کہ وہ میرا خیر خواہ ہے۔

پانچواں درجہ: جس شخص سے تعلق ہو اس کا قرب حاصل کرنے کی خواہش پیدا ہو جانا: اچھے تعلق کے پانچویں درجہ کی علامت یہ ہے کہ جس شخص سے تعلق ہو اُس کا قرب حاصل کرنے کی خواہش بھی پیدا ہو جائے۔ پھر مارے باندھے نہیں جانا ہوتا بلکہ دل چاہتا ہے کہ اُس کے پاس جایا جائے‘ اُس سے ملا جائے‘ اُس کے ساتھ بیٹھا جائے‘ اُس سے بات چیت کی جائے۔ آدمی محسوس کرتا ہے کہ بہت دن ہوئے ملاقات نہیں ہوئی۔ یہ جو کیفیت ہوتی ہے یہ تعلقات کی گہرائی کے ساتھ پیدا ہوتی ہے۔

۷) اچھے اور مضبوط تعلقات سے حاصل ہونے والے چند فوائد

(۱) اللہ کی رضا حاصل ہونا: مَیں آپ سے محبّت کیوں کرتا ہوں‘ آپ مجھ سے محبّت کیوں رکھتے ہیں؟ تا کہ اللہ ہم سے راضی ہو جائے! اس سے قیمتی بات کیا ہو گی۔ اور یہی جذبہ ہمارے تمام تعلقات کی بنیاد ہونا چاہیے‘ چاہے وہ خونی تعلقات ہوں یا کلمہ کی وجہ سے تعلقات ہوں۔

(۲) زندگی میں خوشی اور اطمینان حاصل ہونا: خوشی نہ تو پیسے سے حاصل ہوتی ہے نہ کیریئر سے‘ نہ ہی بڑے مکان یا بڑی گاڑی سے‘ بلکہ خوشی اچھے تعلقات سے حاصل ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ سے ایک مضبوط تعلق‘ تعلق داروں سے ایک اچھا اور مضبوط تعلق انسان کو خوشی اور اطمینان دیتا ہے۔

(۳) قابل اعتماد ساتھی میسر آ جانا: یہ بھی ایک بڑا فائدہ ہے کہ ہمیں قابلِ اعتماد‘ ہم خیال اور ہم مقصد ساتھی میسر آ جاتے ہیں۔ ساتھیوں کے تعاون سے کام آسان ہو جاتے ہیں‘ دعوت مؤثر ہو جاتی ہے‘ مشکلات کو ساتھ مل کر جھیلنا آسان محسوس ہونے لگتا ہے۔ ہم اپنے خاندان میں دعوت کا کام کر رہے ہیں تو اگر اکیلے کریں گے تو مشکل ہو گی‘ لیکن اگر چند ساتھی میسّر آ جائیں تو بہت اچھا کام ہو جاتا ہے۔ خاندان‘ محلہ‘ آفس وغیرہ میں ساتھیوں کے ساتھ مل کر دعوت و اقامتِ دین کی جِدّوجُہد کرنا آسان ہو جاتا ہے۔

(۴) ایک دوسرے کے ساتھ سے فرحت محسوس کرنا: ہم مقصد‘ اعلیٰ سیرت و کردار کے حامل اور دینی تقاضوں کی ادائیگی کی فکر رکھنے والے ساتھی ہمارے لیے فرحت‘ ذہنی سکون اور قلبی اطمینان کا باعث بن جاتے ہیں۔ دین کو غالب کرنے کے لیے بھی اچھے اور مضبوط تعلق رکھنے والے ساتھیوں کی ضرورت پڑتی ہے۔ سورۂ ہود کی آیت ۸۰ میں حضرت لوط علیہ السلام کا ایک قول ملتا ہے کہ جب انہوں نے اپنے مہمانوں کو ظالم قوم کے ظلم سے بچانے کی کوشش کی تو فرمایا: ﴿لَوْ اَنَّ لِیْ بِکُمْ قُوَّۃً اَوْ اٰوِیْۤ اِلٰی رُکْنٍ شَدِیْدٍ ﴿۸۰﴾﴾ ’’کاش کہ مجھے تمہارے مقابلے کی طاقت ہوتی یا مَیں کسی زبردست سہارے کی پناہ جا لیتا۔‘‘ اس سے پتا چلتا ہے کہ اچھے لوگ بھی سہارا ہوتے ہیں۔ سب سے بڑا سہارا تو اللہ ہی ہے‘ لیکن دوسرا سہارا اچھے ساتھی اور اچھے رفقاء ہوتے ہیں جو مسائل میں ساتھ کھڑے ہوتے ہیں اور ایسے ساتھیوں کی تمنّا انبیاء کرام علیہم السلام نے بھی کی ہے۔

(۵) ایک دوسرے کی اَن کہی باتیں سمجھ لینا: دیکھیں ابھی جو مَیں کہہ رہا ہوں آپ سمجھ رہے ہیں اور جو آپ کہیں گے تو مَیں سمجھوں گا‘ لیکن جب تعلقات گہرے ہوتے ہیں تو آپ میری وہ باتیں

بھی سمجھنے لگیں گے جو مَیں نے نہیں کہی ہیں اور مَیں آپ کی وہ باتیں جان لوں گا جو آپ نہیں کہہ پا رہے ہیں۔ بعض قریبی تعلقات اس کی ڈیمانڈ کرتے ہیں کہ کہے بغیر ایک دوسرے کی بات کو سمجھ لیا جائے۔ یہ تعلق ہمیں اپنے رفقاء‘ اپنے نقباء اور اپنے اُمراء میں چاہیے کہ اَن کہی باتیں بھی ہم ایک دوسرے کی سمجھ جائیں‘ اس کے لیے آپس میں ایک گہرا اور مضبوط تعلق درکار ہوتا ہے۔

(۶) دوسروں کو خوشی دینا ہماری اپنی خوشی کا سبب بن جانا: عموماً ہم خود خوش ہونا چاہتے ہیں‘ خود راحت پانا چاہتے ہیں‘ لیکن جب ایک مضبوط تعلق پیدا ہو جاتا ہے تو یہ احساس ہوتا ہے کہ دوسرے کو خوش کرنے سے بھی خوشی ملتی ہے‘ دوسرے کو راحت دینے سے بھی راحت حاصل ہوتی ہے۔

(۷) ہمارے تزکیہ اور تربیت کا ذریعہ بن جانا: خصوصاً جب ہمارا کسی اہلِ علم اور باکردار ساتھی سے تعلق جڑتا ہے تو اس کی شخصیت ہمارے لیے تزکیہ کا باعث بن جاتی ہے۔ یہ ہمارے بڑے قیمتی ساتھی ہیں جو ہم سے دنیاوی طور پر مال و دولت‘ مکان و سامان اور کاروبار کے اعتبار سے چار گنا کم ہوتے ہیں‘ لیکن تقویٰ‘ دینداری اور دین کے لیے ایثار اور قربانی کے اعتبار سے ہم سے کئی گنا آگے ہوتے ہیں۔ ایسے ساتھی ہمارے اپنے تزکیہ کے لیے قیمتی سرمایہ ہوتے ہیں۔ ہمیں چاہیے کہ ہم ان سے ملاقات کریں‘ اپنی فیملی کے ساتھ ان کے گھر جائیں‘ ان کے پاس بیٹھیں۔ اس طرح ہمیں اندازہ ہو گا کہ دنیا میں کم چیزوں کے ساتھ بھی گزارا ہو سکتا ہے اور بڑی گاڑیاں‘ بڑی عمارتیں اور مال و دولت اہم نہیں ہیں‘ بلکہ اصل قدر و قیمت تو آخرت کی ہے‘ اصل مقابلہ تو اللہ کو راضی کرنے والے کاموں کو کرنے میں ہے۔ چنانچہ ہمیں بھی دنیا حقیر محسوس ہونے لگتی ہے اور ہمارے اندر بھی آخرت کی فکر پیدا ہو جاتی ہے اور یہی تزکیہ کی بنیاد ہے۔ ہمارے درمیان ایسے بڑے قیمتی ساتھی موجود ہیں‘ ان سے ہم ایک مضبوط تعلق جوڑیں‘ اپنے تزکیہ و تربیت کا ذریعہ انہیں بنائیں‘ ان سے اُخروی کامیابی کے لیے نیکیوں میں مقابلہ کریں۔ آخر وہ بھی تو اسی دنیا میں ہمارے ساتھ رہ رہے ہیں۔ اگر وہ کم پر راضی رہ کر آخرت کی فکر کر سکتے ہیں تو ہم کیوں نہیں کر سکتے!

(۸) حوصلہ و عزیمت کی زندہ مثالیں حاصل ہونا: اقامتِ دین کی جِدّوجُہد میں شریک بعض رفقاء ہمارے لیے عزم‘ حوصلہ اور عزیمت کی زندہ مثالیں ہیں۔ ان کا ساتھ‘ ان کا مشورہ اور ان کی دعائیں ہمیں میسّر آ سکتی ہیں۔ جس طرح عموماً ہمارا معاملہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بڑی بڑی نعمتیں ہیں جن کا ہم نے شکر ادا نہیں کیا‘ ان کی قدر نہیں کی‘ اسی طرح ایک بہت بڑی نعمت یہ حوصلہ و

عزیمت کی زندہ مثالیں ہمارے یہ رفقاء ہیں‘ان کی بھی ہم نے قدر نہیں کی‘ ان سے ہم وہ فائدہ نہیں اُٹھا رہے جو ہم اُٹھا سکتے ہیں۔

۸) اچھے اور مضبوط تعلقات بنانے کے لیے دعا

جامع ترمذی میں نبی اکرم ﷺ کی دعا ہے —— اللہ تعالیٰ اس دعا کو ہم سب کے حق میں بھی قبول فرمائے‘ آمین —— آپ ﷺ دعا مانگتے تھے:

((اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ حُبَّكَ وَحُبَّ مَنْ يُحِبُّكَ وَالْعَمَلَ الَّذِي يُبَلِّغُنِي حُبَّكَ))

’’اے اللہ! مَیں تجھ سے تیری محبّت کا سوال کرتا ہوں اور ہر اُس شخص کی محبّت کا سوال کرتا ہوں جو تجھ سے محبت کرتا ہے اور ہر اُس عمل کا سوال کرتا ہوں جو مجھے تیری محبت تک پہنچادے۔‘‘ آمین یاربّ العالمین!!

آخر میں موضوع کی مناسبت سے اعجاز رضا آرائیں کی ایک خوبصورت نظم ’’اکیلے ہوتے جاؤ گے‘‘ ملاحظہ ہو:

کسی سے اونچا بولو گے‘ کسی کو نیچا سمجھو گے
کسی کے حق کو مارو گے‘ بھرم ناحق دکھاؤ گے
تو لوگوں کو گنواؤ گے‘ اکیلے ہوتے جاؤ گے!
ذرا سی دیر کو سوچو‘ زباں کو روک کر دیکھو
تسلی سے سنو سب کی‘ تسلّی سے کہو اپنی
جو یونہی طیش کھاؤ گے‘ اکیلے ہوتے جاؤ گے!
خرد مندوں کا کہنا ہے‘ یہ دنیا اِک کھلونا ہے
بساطِ بے ثباتی ہے‘ تمنّاؤں کی گھاٹی ہے
جو خواہش کو بڑھاؤ گے‘ اکیلے ہوتے جاؤ گے!
یہ جتنے رشتے ناتے ہیں‘ اثاثہ ہی بناتے ہیں
محبّت آزماتے ہیں‘ محبّت بانٹ جاتے ہیں
جو اِن سے دور جاؤ گے‘ اکیلے ہوتے جاؤ گے!

❁❁❁

اہلِ خانہ کے ساتھ جنّت میں

اخذ و ترتیب: سعادت محمود

ہمارے رب نے اپنے کلام پاک میں بہت سے مناظر کا نقشہ کھینچا ہے۔ اُن میں سے ایک دل کش اور خوب صورت منظر اہل خانہ کے ساتھ جنّت میں داخلے کا ہے۔ اللہ سُبحانہ وتعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿اَلَّذِیۡنَ یُوۡفُوۡنَ بِعَہۡدِ اللّٰہِ وَ لَا یَنۡقُضُوۡنَ الۡمِیۡثَاقَ ﴿۲۰﴾ وَ الَّذِیۡنَ یَصِلُوۡنَ
مَاۤ اَمَرَ اللّٰہُ بِہٖۤ اَنۡ یُّوۡصَلَ وَ یَخۡشَوۡنَ رَبَّہُمۡ وَ یَخَافُوۡنَ سُوۡٓءَ الۡحِسَابِ ﴿۲۱﴾
وَ الَّذِیۡنَ صَبَرُوا ابۡتِغَآءَ وَجۡہِ رَبِّہِمۡ وَ اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَ اَنۡفَقُوۡا مِمَّا
رَزَقۡنٰہُمۡ سِرًّا وَّ عَلَانِیَۃً وَّ یَدۡرَءُوۡنَ بِالۡحَسَنَۃِ السَّیِّئَۃَ اُولٰٓئِکَ لَہُمۡ
عُقۡبَی الدَّارِ ﴿۲۲﴾ جَنّٰتُ عَدۡنٍ یَّدۡخُلُوۡنَہَا وَ مَنۡ صَلَحَ مِنۡ اٰبَآئِہِمۡ
وَ اَزۡوَاجِہِمۡ وَ ذُرِّیّٰتِہِمۡ وَ الۡمَلٰٓئِکَۃُ یَدۡخُلُوۡنَ عَلَیۡہِمۡ مِّنۡ کُلِّ بَابٍ ﴿۲۳﴾
سَلٰمٌ عَلَیۡکُمۡ بِمَا صَبَرۡتُمۡ فَنِعۡمَ عُقۡبَی الدَّارِ ﴿۲۴﴾﴾ (الرعد)

’’(عقل رکھنے والے لوگ) اللہ کے ساتھ اپنے عہد کو پورا کرتے ہیں‘ اُسے مضبوط باندھنے کے بعد توڑ نہیں ڈالتے۔ اُن کی روش یہ ہوتی ہے کہ اللہ نے جن جن روابط کو برقرار رکھنے کا حکم دیا ہے انہیں برقرار رکھتے ہیں‘ اپنے رب سے ڈرتے ہیں اور اس بات کا خوف رکھتے ہیں کہ کہیں ان سے بُری طرح حساب نہ لیا جائے۔ اُن کا حال یہ ہوتا ہے کہ اپنے رب کی رضا کے لیے صبر سے کام لیتے ہیں‘ نماز قائم کرتے ہیں‘ ہمارے دیے ہوئے رزق میں سے علانیہ اور پوشیدہ خرچ کرتے ہیں‘ اور بُرائی کو بھلائی سے دفع کرتے ہیں۔ آخرت کا گھر انہی لوگوں کے لیے ہے۔ (اُن کے لیے) دائمی (ہمیشہ ہمیشہ کے لیے) رہائش کے باغات ہوں گے‘ وہ خود بھی ان میں داخل ہوں گے اور اُن کے آباء واجداد اور اُن کی بیویوں اور اُن کی اولاد میں سے جو جو صالح ہوں گے وہ بھی اُن کے ساتھ وہاں جائیں گے۔ ملائکہ ہر طرف سے اُن کے استقبال کے لیے آئیں گے اور ان سے کہیں گے کہ: ’’تم پر سلامتی ہے‘ تم نے دنیا میں جس طرح صبر (دین پر استقامت) سے کام لیا اس کی بدولت آج تم اس (جنّت) کے مستحق ہوئے ہو پس کیا ہی خوب ہے یہ آخرت کا گھر!‘‘

درج بالا آیات کی روشنی میں تصوّر کریں کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہمارے نیک اعمال کی وجہ سے یہ اعزاز بخشے کہ ہمیں اور ہمارے تمام اہلِ خانہ کو جنّت کے اعلیٰ درجات تک پہنچا دے۔ سوچیں کہ کیا ہم نے کبھی اپنے اہلِ خانہ کے ساتھ جنّت میں وہاں کی حقیقی مسرتوں سے ہمیشہ کے لیے لُطف اندوز ہونے کے اس مقام کو پانے کی تمنّا کی ہے!

یہ وہ مقام ہے جس کے لیے فرشتے بھی ہمارے لیے دُعا کرتے ہیں۔ سورۃ المؤمن میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿اَلَّذِیۡنَ یَحۡمِلُوۡنَ الۡعَرۡشَ وَ مَنۡ حَوۡلَہٗ یُسَبِّحُوۡنَ بِحَمۡدِ رَبِّہِمۡ وَ یُؤۡمِنُوۡنَ
بِہٖ وَ یَسۡتَغۡفِرُوۡنَ لِلَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا ۚ رَبَّنَا وَسِعۡتَ کُلَّ شَیۡءٍ رَّحۡمَۃً وَّ عِلۡمًا
فَاغۡفِرۡ لِلَّذِیۡنَ تَابُوۡا وَ اتَّبَعُوۡا سَبِیۡلَکَ وَ قِہِمۡ عَذَابَ الۡجَحِیۡمِ ﴿۷﴾ رَبَّنَا
وَ اَدۡخِلۡہُمۡ جَنّٰتِ عَدۡنِ ۣ الَّتِیۡ وَعَدۡتَّہُمۡ وَ مَنۡ صَلَحَ مِنۡ اٰبَآئِہِمۡ
وَ اَزۡوَاجِہِمۡ وَ ذُرِّیّٰتِہِمۡ ؕ اِنَّکَ اَنۡتَ الۡعَزِیۡزُ الۡحَکِیۡمُ ﴿۸﴾ وَ قِہِمُ
السَّیِّاٰتِ ؕ وَ مَنۡ تَقِ السَّیِّاٰتِ یَوۡمَئِذٍ فَقَدۡ رَحِمۡتَہٗ ؕ وَ ذٰلِکَ ہُوَ الۡفَوۡزُ
الۡعَظِیۡمُ ﴿۹﴾﴾

’’عرشِ الٰہی کے حامل فرشتے اور وہ جو عرش کے گرد و پیش حاضر رہتے ہیں‘ سب اپنے رب کی حمد کے ساتھ اُس کی تسبیح کر رہے ہیں۔ وہ اُس پر ایمان رکھتے ہیں اور ایمان لانے والوں کے حق میں دُعائے مغفرت کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں: ’’اے ہمارے رب! تُو اپنی رحمت اور اپنے علم کے ساتھ ہر چیز پر چھایا ہوا ہے‘ پس معاف کر دے اور عذابِ دوزخ سے بچا لے اُن لوگوں کو جنھوں نے توبہ کی ہے اور تیرا راستہ اختیار کر لیا ہے۔ اے ہمارے رب! اور داخل کر اُن کو ہمیشہ رہنے والی اُن جنتوں میں جن کا تو نے اُن سے وعدہ کیا ہے‘ اور اُن کے والدین اور بیویوں اور اولاد میں سے جو صالح ہوں (اُن کو بھی وہاں اُن کے ساتھ پہنچا دے)۔ تو بلاشبہ قادرِ مطلق اور حکیم ہے۔ بچا دے اُن کو بُرائیوں سے۔ جس کو تُو نے قیامت کے دن بُرائیوں سے بچا دیا اُس پر تو نے بڑا رحم کیا۔ یہی بڑی کامیابی ہے۔‘‘

اس آیت کی تشریح میں صاحبِ تفہیم القرآن سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ لکھتے ہیں:

’’یہ بات نبی ﷺ کے ساتھیوں (اور قیامت تک حضور ﷺ اور ان کے صحابہ رضی اللہ عنہم کے نقشِ قدم پر چلنے والوں) کی تسلّی کے لیے ارشاد ہوئی ہے۔ وہ اُس وقت کفّارِ مکّہ کی

زبان درازیوں اور چیرہ دستیوں اور ان کے مقابلے میں اپنی بے بسی دیکھ دیکھ کر سخت دل شکستہ ہو رہے تھے۔ اس پر فرمایا گیا کہ ان گھٹیا اور رذیل لوگوں کی باتوں پر تم رنجیدہ کیوں ہوتے ہو‘ تمہارا مرتبہ تو وہ ہے کہ عرشِ الٰہی کے حامل فرشتے اور عرش کے گرد و پیش حاضر رہنے والے ملائکہ تک تمہارے حامی ہیں اور تمہارے حق میں اللہ تعالیٰ کے حضور سفارشیں کر رہے ہیں۔ عام فرشتوں کے بجائے عرشِ الٰہی کے حامل اور اس کے گرد و پیش حاضر رہنے والے فرشتوں کا ذکر یہ تصور دلانے کے لیے کیا گیا ہے کہ سلطنت خداوندی کے عام اہل کار تو درکنار‘ وہ ملائکہ مقربین بھی جو اس سلطنت کے ستون ہیں اور جنہیں فرماں روائے کائنات کے ہاں قرب کا مقام حاصل ہے‘ تمہارے ساتھ گہری دلچسپی و ہمدردی رکھتے ہیں۔‘‘ (تفہیم القرآن‘ جلد ۴‘ ص ۳۹۴)

درج بالا دونوں آیات میں اہلِ ایمان کے والدین‘ بیویوں اور اولاد میں سے اُن کے لیے جنّت کا وعدہ اور فرشتوں کی دُعا کا ذکر ہے جو ان میں سے صالح ہوں۔ لیکن سورۃ الطور میں مزید رعایت دی گئی ہے۔ فرمایا گیا کہ اگر اُن کی اولاد کسی نہ کسی درجۂ ایمان میں بھی اپنے آباء کے نقشِ قدم کی پیروی کرتی رہی ہو تو اپنے عمل کے لحاظ سے خواہ وہ اُس مرتبے کی مستحق نہ ہو جو اُن کے آباء کو اُن کے بہتر ایمان و عمل کی بنا پر حاصل ہو گا‘ پھر بھی یہ اولاد اپنے آباء کے ساتھ ملا دی جائے گی۔ یقیناً یہ اہلِ ایمان کے لیے ایک بہت بڑا اعزاز ہے۔ ارشادِ ربّ کریم ہے:

﴿اِنَّ الۡمُتَّقِيۡنَ فِيۡ جَنّٰتٍ وَّنَعِيۡمٍ (۱۷) فٰكِهِيۡنَ بِمَاۤ اٰتٰهُمۡ رَبُّهُمۡ ۚ وَوَقٰهُمۡ
رَبُّهُمۡ عَذَابَ الۡجَحِيۡمِ (۱۸) كُلُوۡا وَاشۡرَبُوۡا هَنِيۡٓـئًا بِمَا كُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَ (۱۹)
مُتَّكِـِٕيۡنَ عَلٰى سُرُرٍ مَّصۡفُوۡفَةٍ ۚ وَزَوَّجۡنٰهُمۡ بِحُوۡرٍ عِيۡنٍ (۲۰) وَالَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا
وَاتَّبَعَتۡهُمۡ ذُرِّيَّتُهُمۡ بِاِيۡمَانٍ اَلۡحَقۡنَا بِهِمۡ ذُرِّيَّتَهُمۡ وَمَاۤ اَلَتۡنٰهُمۡ مِّنۡ
عَمَلِهِمۡ مِّنۡ شَىۡءٍ ؕ كُلُّ امۡرِیءٍۢ بِمَا كَسَبَ رَهِيۡنٌ (۲۱) وَاَمۡدَدۡنٰهُمۡ بِفَاكِهَةٍ
وَّلَحۡمٍ مِّمَّا يَشۡتَهُوۡنَ (۲۲) يَتَنَازَعُوۡنَ فِيۡهَا كَاۡسًا لَّا لَغۡوٌ فِيۡهَا وَلَا تَاۡثِيۡمٌ (۲۳)
وَيَطُوۡفُ عَلَيۡهِمۡ غِلۡمَانٌ لَّهُمۡ كَاَنَّهُمۡ لُؤۡلُؤٌ مَّكۡنُوۡنٌ (۲۴) وَاَقۡبَلَ بَعۡضُهُمۡ
عَلٰى بَعۡضٍ يَّتَسَآءَلُوۡنَ (۲۵) قَالُوۡۤا اِنَّا كُنَّا قَبۡلُ فِىۡۤ اَهۡلِنَا مُشۡفِقِيۡنَ (۲۶) فَمَنَّ
اللّٰهُ عَلَيۡنَا وَوَقٰٮنَا عَذَابَ السَّمُوۡمِ (۲۷) اِنَّا كُنَّا مِنۡ قَبۡلُ نَدۡعُوۡهُ ؕ اِنَّهٗ هُوَ
الۡبَرُّ الرَّحِيۡمُ (۲۸)﴾ (الطور)

’’متقی لوگ وہاں باغوں اور نعمتوں میں ہوں گے‘ لطف لے رہے ہوں گے جو اُن کا

رب اُنھیں دے گا‘ اور اُن کا رب اُنھیں دوزخ کے عذاب سے بچا لے گا۔ (اُن سے کہا جائے گا) کھاؤ اور پیو مزے سے اپنے اُن اعمال کے صلے میں جو تم کرتے رہے ہو۔ وہ آمنے سامنے بچھے ہوئے تختوں پر تکیے لگائے بیٹھے ہوں گے‘ اور ہم خوب صورت آنکھوں والی حوریں اُن سے بیاہ دیں گے۔ جو لوگ ایمان لائے ہیں اور اُن کی اولاد بھی (کسی درجۂ) ایمان میں اُن کے نقشِ قدم پر چلی ہے اُن کی اُس اولاد کو بھی ہم (جنّت میں) اُن کے ساتھ ملا دیں گے اور اُن کے عمل میں کوئی گھاٹا اُن کو نہ دیں گے۔ ہر شخص اپنے کسب کے عوض رہن ہے۔ ہم اُن کو ہر طرح کے پھل اور گوشت‘ جس چیز کو بھی ان کا جی چاہے گا‘ خوب دیے چلے جائیں گے۔ وہ ایک دوسرے سے جامِ شراب لپک لپک کر لے رہے ہوں گے جس میں نہ یاوہ گوئی ہو گی نہ بدکرداری۔ اور اُن کی خدمت میں وہ لڑکے دوڑتے پھر رہے ہوں گے جو اُنھی (کی خدمت) کے لیے مخصوص ہوں گے‘ ایسے خوب صورت جیسے چھپا کر رکھے ہوئے موتی۔ یہ لوگ آپس میں ایک دوسرے سے (دنیا میں گزرے ہوئے) حالات پوچھیں گے۔ یہ کہیں گے کہ ہم پہلے اپنے گھر والوں میں (اللہ سے) ڈرتے ہوئے زندگی بسر کرتے تھے۔ آخر کار اللہ نے ہم پر فضل فرمایا اور ہمیں جھلسا دینے والی ہوا کے عذاب سے بچا لیا۔ ہم پچھلی زندگی میں اُسی سے دعائیں مانگتے تھے‘ وہ واقعی بڑا ہی محسن اور رحیم ہے۔‘‘

کیا ہم نے کبھی اپنے اہلِ خانہ کے ساتھ جنّت میں وہاں کی حقیقی مسرتوں سے ہمیشہ کے لیے لطف اندوز ہونے کا یہ مقام حاصل کرنے کی کوشش اور اس کے لیے کوئی منصوبہ بندی کی ہے؟

آیت ۱۷ میں جنّت میں داخلے کے ساتھ دوزخ کے عذاب سے بچائے جانے کا ذکر ہے۔ اس کی تشریح میں صاحب تفہیم القرآن سیّد ابوالاعلیٰ مودودیؒ نے لکھا ہے:

’’کسی شخص کے داخلِ جنّت ہونے کا ذکر کر دینے کے بعد پھر دوزخ سے اس کے بچائے جانے کا ذکر کرنے کی بظاہر کوئی حاجت نہیں رہتی۔ مگر قرآن مجید میں متعدد مقامات پر یہ دونوں باتیں الگ الگ اس لیے بیان کی گئی ہیں کہ آدمی کا دوزخ سے بچ جانا بجائے خود ایک بہت بڑی نعمت ہے۔ اور یہ ارشاد کہ ’’اللہ نے ان کو عذابِ دوزخ سے بچا لیا‘‘ دراصل اشارہ ہے اِس حقیقت کی طرف کہ آدمی کا دوزخ سے بچ جانا اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم ہی سے ممکن ہے‘ ورنہ بشری کمزوریاں ہر شخص کے عمل میں ایسی ایسی خامیاں پیدا کر دیتی ہیں کہ اگر اللہ اپنی فیاضی سے اُن کو نظر انداز نہ فرمائے‘ اور سخت محاسبے پر اُتر آئے تو کوئی بھی گرفت سے نہیں چھوٹ سکتا۔ اسی لیے جنّت میں داخل ہونا اللہ کی جتنی بڑی نعمت

ہے اُس سے کچھ کم نعمت یہ نہیں ہے کہ آدمی دوزخ سے بچالیا جائے۔'' (جلد ۵' ص ۱۶۷)

آیت ۱۹ میں فرمایا: ''کھاؤ اور پیو مزے سے۔'' اس ''مزے'' کی تشریح بھی صاحبِ تفہیم القرآن نے کی ہے:

''یہاں 'مزے سے' کا لفظ اپنے اندر بڑا وسیع مفہوم رکھتا ہے۔ جنّت میں انسان کو جو کچھ ملے گا' کسی مشقت اور محنت کے بغیر ملے گا۔ اُس کے ختم ہو جانے یا اُس کے اندر کمی واقع ہو جانے کا کوئی اندیشہ نہ ہوگا۔ اُس کے لیے انسان کو کچھ خرچ نہیں کرنا پڑے گا۔ وہ عین اُس کی خواہش اور اس کے دل کی پسند کے مطابق ہوگا۔ جتنا چاہے گا اور جب چاہے گا' حاضر کر دیا جائے گا۔ وہ وہاں مہمان کے طور پر مقیم نہ ہوگا کہ کچھ طلب کرتے ہوئے شرمائے بلکہ سب کچھ اُس کے اپنے گزشتہ اعمال کا صلہ اور اُس کی اپنی پچھلی کمائی کا ثمر ہوگا۔ اُس کے کھانے اور پینے سے کسی مرض کا خطرہ بھی نہ ہوگا۔ وہ بھوک مٹانے اور زندہ رہنے کے لیے نہیں بلکہ صرف لذّت حاصل کرنے کے لیے ہوگا۔ اور آدمی جتنی لذّت بھی اُس سے اُٹھانا چاہے' اُٹھا سکے گا بغیر اس کے کہ اس سے کوئی سوءِ ہضم لاحق ہو' اور وہ غذا کسی قسم کی غلاظت پیدا کرنے والی بھی نہ ہوگی۔ اس لیے دنیا میں ''مزے'' سے کھانے پینے کا جو مفہوم ہے' جنّت میں ''مزے'' سے کھانے پینے کا مفہوم اس سے بدرجہا زیادہ وسیع اور اعلیٰ وارفع ہے۔'' (تفہیم القرآن' جلد ۵' ص ۱۶۸)

یہاں اُس حدیث کا ذکر بے محل نہ ہوگا جو حضرت ابوہریرہ ؓ سے روایت ہے۔ حضور ﷺ نے بیان فرمایا کہ: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ میں نے اپنے نیک اور صالح بندوں کے لیے وہ چیزیں تیار کر رکھی ہیں جن کو نہ کسی آنکھ نے دیکھا ہے' نہ کسی کان نے اُن کا ذکر سنا ہے اور نہ کسی بشر کے دل میں کبھی اُن کا خیال ہی آیا ہے۔ اگر تم چاہو تو قرآن کی آیت پڑھو: ﴿فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِيَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْيُنٍ ۚ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿١٧﴾﴾ (السجدہ)

''پھر جیسا کچھ آنکھوں کی ٹھنڈک کا سامان اُن کے اعمال کی جزا میں ان کے لیے چھپا رکھا گیا ہے اس کی کسی متنفس کو خبر نہیں ہے۔''

کیا میں نے اور آپ نے کبھی اپنے اہل خانہ کے ساتھ جنّت میں وہاں کی حقیقی مسرتوں سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے لُطف اندوز ہونے کے اس خوب صورت منظر کا تصور کرنے کی کوشش کی ہے! آیئے! ہم اپنے آپ کو اور اپنے اہلِ خانہ کو دوزخ کے عذاب سے بچا کر انہیں جنّت کے اعلیٰ مقام تک لے جانے کے لیے کمر بستہ ہو جائیں' اور اُس کے لیے کوشش اور جدّوجُہد شروع کر دیں۔ ۞

وَالَّذِیْنَ جَاھَدُوْا فِیْنَا

امیر المؤمنین امارتِ اسلامیہ افغانستان ملاہبت اللہ اخوندزادہ

کالو یہ جرگہ ہال کابل میں علماء کنونشن (۲۹ جون تا یکم جولائی ۲۰۲۲ء) سے خطاب

الحمد للہ وکفی وسلام علی عبادہ الذین اصطفی

اما بعد فاعوذ باللہ من الشیطن الرجیم بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

﴿وَالَّذِیْنَ جَاھَدُوْا فِیْنَا لَنَھْدِیَنَّھُمْ سُبُلَنَا ۭ وَاِنَّ اللّٰہَ لَمَعَ الْمُحْسِنِیْنَ ۝۶۹﴾ (العنکبوت)

وقال رسول اللہ ﷺ ((اَلدِّیْنُ النَّصِیْحَۃُ)) قیل لمن یا رسول اللہ؟ قال:

((لِلّٰہِ وَ لِکِتَابِہٖ وَلِرَسُوْلِہٖ وَلِأَئِمَّۃِ الْمُسْلِمِیْنَ وَعَامَّتِھِمْ)) اوکما قال رسُولُ اللہ ﷺ

صدق اللہ ورسولہُ النبی الکریم' ونحن علی ذلک من الشّاھِدین وَالشّاکِرین'
والحمد للہ ربّ العالمین

معزز زعمائدین' حضرت شیخ صاحب اور ان کے معاونین اور اس قابلِ قدر مجلس کے شیوخ کرام' علمائے کرام' مجاہدین عظام' قوم کے مخلص رہنما' اسلامی امارت کے محترم ومکرم مسئولین اور افغانستان کے قابل قدر مسلمان عوام' جو آج کے اس جلسے میں شریک ہیں' سب کو میری طرف سے السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

قابلِ قدر سامعین! سب سے پہلے یہ فتح جو اللہ تعالیٰ کا افغانیوں پر بالخصوص اور پوری دنیا کے مسلمانوں پر بالعموم ایک عظیم انعام ہے' مَیں اس فتح وکامرانی کی مبارکباد اس جلسے کے تمام شیوخ کرام' مجاہدین عظام اور تمام مخلص مسلمانوں کو پیش کرتا ہوں' آپ سب کو بہت بہت مبارک ہو۔ اس فتح کے لیے جنہوں نے جہاد کے دوران قربانیاں دی ہیں' ان مجاہدین اور عوام کے شہداء کے لیے دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان کو جنّت الفردوس عطا فرمائے اور ان کی شہادتوں

کو قبول فرمائے اور تمام مجاہدین اور افغان عوام کی تکالیف اور زخموں کو اللہ تعالیٰ اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے۔ میں اس بیس سالہ جہاد میں مخلص افغان عوام کی بے پناہ قربانیوں پر ان کا شکریہ ادا کرتا ہوں جنہوں نے مجاہدین کے شانہ بشانہ جہاد کو جاری رکھا اور کامیابی تک پہنچا دیا۔ اللہ جل جلالہ ان کی قربانیاں قبول فرمائے۔ جن شہداء کے پیچھے یتیم بچے رہ گئے ہیں' اللہ تعالیٰ ان کی بہترین کفالت فرمائے۔ اللہ جل جلالہ امارتِ اسلامیہ کے مجاہدین اور مخلص عوام کو یہ توفیق عطا فرمائے کہ وہ ان یتیم بچوں کی اچھی پرورش کرسکیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اُن بے کسوں اور بیواؤں کی خدمت کی توفیق عطا فرمائے جنہوں نے اس بیس سالہ جہاد میں ہر قسم کی تکالیف اُٹھائیں۔ اللہ تعالیٰ اُن پر بھی عظیم رحم فرمائے جنہوں نے ہر نماز کے بعد مجاہدین کی کامیابی کے لیے دعائیں مانگی ہیں۔ پوری دنیا میں جس جس نے بھی ہمارے جہاد کی حمایت کی ہے' چاہے قول سے کی ہے' دعا سے کی ہے یا اخلاقی لحاظ سے کی ہے' اللہ تعالیٰ ان کو بھی غزوۂ بدر کے جہاد جیسی جزا عطا فرمائے۔ ہم سب کا شکریہ ادا کرتے ہیں۔

ان آخری ایام میں اللہ جل جلالہ نے ہمیں بہترین امن عطا فرمایا ہے جس کے سب قائل ہیں۔ پچھلے دنوں ہمارے عوام کو چند بڑے مصائب کا سامنا کرنا پڑا' جیسے خوست اور پکتیا میں زلزلہ آیا۔ اللہ جل جلالہ ان تمام لوگوں کو دنیا وآخرت کا اجر عطا فرمائے جو ان مصائب کا شکار ہوئے اور اللہ جل جلالہ ہم سب کو یہ توفیق عطا فرمائے کہ جو لوگ ان مصائب کا شکار ہوئے' اُن کی خدمت اور اُن کے ساتھ ہمدردی کریں۔ ان کو نہ اپنی دعاؤں میں بھولیں اور نہ اپنی مدد میں بھولیں۔ اگر آپ کے پاس دو روٹیاں بھی ہوں تو ایک خود کھائیں اور ایک ان کو کھلائیں۔

محترم بھائیو! تمام علمائے کرام نے بڑی قیمتی باتیں اور تجزیے فرمائے۔ افغان جہاد کی کامیابی صرف افغان عوام کے لیے افتخار واعزاز نہیں بلکہ پوری دنیا کے مسلمانوں کے لیے اعزاز ہے۔ رمضان کے اوائل میں دنیا کے مسلمان اور شیوخ مجھے رمضان کی مبارکباد دے رہے تھے' یہ ان کی خوشی کی علامت ہے کہ دنیا اس بات پر خوش ہے کہ افغانستان میں مجاہدین کو کامیابی ملی ہے۔ اس پر پوری دنیا کے مسلمان بہت خوش ہیں۔ اس لیے کہ مسلمان اسلام کو جانتے ہیں' انہوں نے اسلام کا مطالعہ کیا ہے' اسلام کے اخلاق اور احکام سے واقف ہیں اور جانتے ہیں کہ اسلام میں ہر کسی کو اس کا جائز حق مل جاتا ہے۔ اسلام میں لوگوں کی زندگی امن وسلامتی میں

آجاتی ہے۔ مسلمان تو جب بھی ایک دوسرے سے ملتے ہیں تو ایک دوسرے کو پہلا پیغام ہی یہ دیتے ہیں کہ السلام علیکم۔ یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ اسلام سلامتی کا دین ہے کہ ایک مسلمان دوسرے کو یہ ضمانت دیتا ہے کہ میری طرف سے آپ محفوظ ہیں اور دوسری بات یہ ہے کہ ایمان اپنے کمال کو تب ہی پہنچتا ہے جب ایک مسلمان کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے محفوظ ہو جائیں۔ اسلام مسلمانوں کی ایسی تربیت کرتا ہے کہ وہ نہ زبان سے کسی کو تکلیف دیں‘ نہ ہاتھ سے‘ اُن کا مال بھی محفوظ ہو اور ان کی عزّت و آبرو بھی محفوظ ہو۔ لہٰذا جو اسلامی شعار کے تحت کامیاب ہوتا ہے تو لوگ خوش ہو جاتے ہیں کہ یہ تو وہ لوگ ہیں جنہوں نے اس لیے جہاد کیا کہ اسلام کا بول بالا ہو‘ اللہ کا کلمہ سربلند ہو۔ وہ اس لیے خوش ہوتے ہیں کہ اب ان کا دیا ہوا پیغام عملی جامہ پہنے گا۔ قتل العباد اور تخریب البلاد جہاد کا فی نفسہٖ مقصود نہیں۔ یہ جو بیس سال ہم نے گھروں کو مسمار ہوتے‘ انسانوں کو قتل ہوتے دیکھا اور دوسری خرابیاں دیکھیں‘ یہ سب کچھ ہم نے اس لیے برداشت کیا کہ اس کے نتیجے میں ایک نظام آئے گا جو اسلام کا نظام ہوگا۔

اللہ تعالیٰ نے بالآخر ہمارے جہاد کو کامیابی سے ہمکنار کیا۔ اب لوگ بہت خوش ہیں اور یہ امید رکھتے ہیں کہ جو پیغام مجاہدین جہاد کے دوران اپنے قول اور فعل سے دے رہے تھے اب اس پیغام کو عملی شکل میں دیکھنے کا موقع آچکا ہے۔ اب سب اس انتظار میں بیٹھے ہیں کہ اسلامی نظام کا نفاذ کب ہوگا۔ دنیا میں حکومتوں کی سیاست تو اس طریقے سے چلتی ہے کہ ایک پارٹی دوسری پارٹی کے خلاف لوگوں کو بھڑکاتی ہے اور جب اس کو اقتدار مل جاتا ہے تو پھر وہ اپنے اپنے مفاد کو لے کر آگے چلتی ہے اور ان کو مسلمانوں کی کوئی فکر نہیں ہوتی۔ اب ہمارے عوام اس انتظار میں ہیں کہ جہاد کے نعرے کی عملی شکل کب نظر آئے گی‘ جنہوں نے اس عظیم جہاد میں اپنے بچے قربان کیے اور اپنے گھر ویران کیے ہیں۔ میرے معصوم بیٹے کا خون اور روح بھی اس راستے میں قربان ہوگئی ہے۔ شہید کا خون اللہ کو اتنا عزیز ہے کہ وہ اپنے کلام میں فرماتا ہے کہ میں تم میں سے عزّت والوں کو شہید بناؤں گا۔ یہ سب کچھ اس نعرے کے تحت ہوا کہ اسلام کا نظام آئے گا‘ شریعت آئے گی۔ اب ان سب کے آنے کا وقت ہے۔ امن فی نفسہٖ اس لیے مقصود ہے کہ اسلام کے مقاصد پورے ہوں اور ان کے نفاذ کی رکاوٹیں دور ہوں۔ بیس سال قبل افغانستان میں دین و شریعت کی بات کرنا ممکن نہ تھا‘ ایسی بات کی سزا یا تو قید تھی یا جسمانی تشدد۔ اس جہاد کے نتیجے

میں دعوت الی اللہ کو آزادی ملی‘ شریعت کی بالادستی کی راہ ہموار ہوئی اور رکاوٹیں دور ہوگئیں۔

اب مزید انتظار نہیں ہونا چاہیے‘ اب فوراً اس سرزمین پر اللہ کا نظام نافذ ہونا چاہیے۔ اپنے وعدے کے مطابق شریعت کا نفاذ ہونا چاہیے۔ دنیا کے کافر ہم سے زمین کی خاطر لڑنے نہیں آئے تھے‘ یہ پیسے کی جنگ نہیں تھی‘ کسی بھی چیز کی لڑائی نہیں تھی‘ صرف ایک چیز کی جنگ تھی اور وہ ہے نظریہ اور عقیدہ۔ وہ چاہتے تھے کہ ہمارا نظریہ اور عقیدہ دبا دیا جائے‘ جہاد اور شریعت کی آواز کو خاموش کر دیا جائے۔ یہ جنگ اب بھی پایۂ تکمیل تک نہیں پہنچی‘ یہ اب بھی جاری ہے اور یہ قیامت تک جاری رہے گی۔ ﴿هٰذٰنِ خَصْمٰنِ اخْتَصَمُوْا فِیْ رَبِّهِمْ﴾‘ یہ دو پارٹیوں کی جنگ ہے۔ نہ میں اُن کو اپنے اوپر اُن کا قانون نافذ کرنے دیتا ہوں اور نہ وہ مجھے اپنا شرعی قانون نافذ کرنے دیتے ہیں۔ میرا اور ان کا یہ مبارزہ مرتے دم تک جاری رہے گا۔ میرے بعد کوئی اور یہ منصب سنبھال لے گا‘ اس مقابلے میں شریک ہوگا اور یہ مقابلہ جاری رہے گا۔ جب سے ہم نے ان سے یہ جنگ شروع کی ہے ہم نے ان کے ساتھ کوئی سمجھوتہ نہیں کیا۔ ہمارے اور ان کے مابین جس چیز پر جھگڑا ہے اس میں کسی قسم کا سمجھوتہ نہیں ہوسکتا اور نہ آئندہ اس کا کوئی امکان ہے۔ منہ سے شریعت کا نعرہ لگانا بڑا خوبصورت ہے‘ بڑا مزہ آتا ہے‘ لیکن اب اس نعرے کو عملی شکل دینے کے لیے ہمیں مقابلہ کرنا ہے اور تکالیف جھیلنی ہیں‘ سروں پر کفن باندھنے ہیں۔ آج کی دنیا آسانی سے یہ بات تسلیم کرنے کو تیار نہیں کہ تم اسلام کو نافذ کرنا چاہتے ہو اور وہ یہ کہے کہ ٹھیک ہے نافذ کرو! ابھی تو عملی چیزیں جیسے قصاص اور دیگر حدود اللہ نافذ ہی نہیں ہوئیں۔ جب ہم ان کو نافذ کریں گے تو پھر ان کا ردِّعمل سامنے آئے گا۔

بھائیو! بات یہ ہے کہ ہماری نصرت کرنے والی ذات صرف ایک اللہ کی ہے اور اسی کی رضا ہی ہمارا مقصود ہے۔ باقی پوری دنیا اس قابل نہیں کہ ہم اُن معاملات میں ان کی بات مان لیں جن سے اللہ تعالیٰ ناراض ہو۔ ہمیں اللہ کو راضی کرنا ہے‘ اسی کی مدد حاصل کریں گے‘ جس نے آج افغانستان میں دنیا کی متکبر قوت کو توڑا اور وہ بھاگنے پر مجبور ہوئے۔ قطر کے مذاکرات کے دوران خبریں آرہی تھیں کہ امریکہ ان شرائط کے ساتھ افغانستان سے نکلے گا۔ مَیں اس بارے میں بڑا ہی فکرمند تھا کہ امریکہ تو چلا جائے گا لیکن اگر وہ اپنے افغانی غلاموں کو ہم سے حالتِ جنگ میں چھوڑ گیا تو پتا نہیں ہم کب تک اپنے افغانی بھائیوں سے لڑتے رہیں گے۔ مجھے بہت

پریشانی تھی لیکن ربِّ ذوالجلال نے ایسی نصرت فرمائی کہ ابھی امریکہ نکلا بھی نہیں تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارا اندرونی معاملہ حل کر دیا اور خانہ جنگی ختم ہوگئی۔ افغان مسلمانوں کو مارنا کبھی بھی ہمارا مقصود نہیں رہا۔ اگر ہم مسلمان کے قتل کو اپنا مقصود بنالیں تو ہم تو تباہ ہو گئے۔ اگر ہماری کارروائیوں میں افغان مسلمانوں کو کوئی تکلیف پہنچی ہو تو یہ معاملہ اُس جہاد کی خاطر تھا جو کفّار کے انخلاء کے لیے جاری تھا‘ تاکہ ایسی فضا قائم ہو جو آج قائم ہے کہ عام مسلمانوں کو امن میسّر ہو۔

اگرچہ ہمارے افغان بھائی دشمن کی صف میں کھڑے تھے‘ مَیں پورے یقین سے کہتا ہوں کہ ان کو مارنا ہرگز ہمارا مقصد نہیں تھا‘ لیکن یہ دشمن کی حفاظت کے لیے ڈھال بن رہے تھے‘ لہٰذا جب دشمن بھاگ گیا تو یہی ہمارا پیغام اور نعرہ ہے کہ افغانیوں کو مارنا ہمارا مقصود نہیں۔ چھوٹے ہوں یا بڑے‘ مرد ہوں یا خواتین سب ہمارے قابل قدر افغان بہن بھائی ہیں۔ جیسے ہی دشمن نے اپنی بساط لپیٹی ہم نے افغان بھائیوں سے درخواست کی کہ آؤ اسلحہ رکھو‘ جنگ ختم کرو! جو کچھ تم نے کیا ہے وہ سب تمہیں معاف۔ تم نے بہت مظالم ڈھائے ہیں‘ ٹینکوں سے مجاہدین کو اڑایا ہے۔ تم نے ایسے مظالم ڈھائے ہیں جن کی مثال شاید تاریخ میں بھی نہ ملے‘ اور ایسے لوگوں پر ڈھائے ہیں جو مدرسے کے حفاظ تھے‘ طالب علم تھے اور اولیاء اللہ تھے‘ لیکن کوئی بات نہیں!

اگرچہ مجھے شریعت یہ حق دیتی ہے کہ ان معاملات میں ان سے بدلہ لوں‘ لیکن ہم عام معافی کا اعلان کرتے ہیں۔ مَیں نے علماء سے بھی بات کی ہے اور انہوں نے فتویٰ بھی دیا ہے کہ جو شخصی حقوق شریعت نے دیے ہیں ان کا قصاص لیا جائے‘ لیکن مَیں پھر بھی معافی کا اعلان کرتا ہوں‘ کیوں کہ ہمارا جہاد للہ فی اللہ تھا۔ اگر مجھے مجاہدین میں دورانِ جہاد یہ اخلاص نظر نہ آتا یا آج بھی نظر نہ آئے تو خدا کی قسم! مَیں ایک دن بھی اس منصب پر نہیں بیٹھوں گا‘ کیوں کہ مَیں مسلمان ہوں اور مجھے آخرت کی فکر ہے۔ مَیں ایسی جماعت میں رہنا چاہتا ہوں جو میری اخروی نجات کا باعث بنے۔

اگر مجھے طالبان کی جماعت سے زیادہ صالح اور مخلص جماعت زمین پر نظر آتی تو مَیں طالبان کے ساتھ نہ ہوتا بلکہ اس جماعت میں ہوتا۔ یہ ان کی حقانیت اور صالحیت کی علامت ہے کہ انہوں نے عام معافی کے اعلان کو صحیح معنوں میں عملی جامہ پہنایا اور یہ اعلان اس بات کی دلیل ہے کہ افغان بھائیوں کا قتل نہ تب ہمارا مقصود تھا اور نہ اب۔ اگر کسی کو مارا بھی ہو تو یہ ایک عظیم مقصد اور امن کے قیام کی خاطر مارا ہوگا‘ کیونکہ حدود اللہ کے نفاذ کا مقصد امن کا قیام ہے۔

امن آچکا ہے جو جہاد کا مقصد تھا۔ ہماری وزارتوں اور ولایتوں میں موجود مجاہدین اور علمائے کرام بڑے مخلص اور متقی لوگ ہیں۔ امن جتنا عوام کے لیے ضروری ہے اتنا ہی حکومت کے ڈھانچے کے لیے بھی ضروری ہے کہ اس ڈھانچے میں ایسے لوگ موجود ہوں جو فساد کو رفع کریں‘ رشوت خوری ختم کریں‘ زور زبردستی کو ختم کریں‘ عدل کی ضمانت ہو‘ اقربا پروری اور قوم پرستی کا خاتمہ ہو۔ لہٰذا حکومتی ڈھانچے کے لیے امن بہت ضروری ہے۔ اگر حکومت کے اندر امن نہ ہو‘ رشوت خوری ہو‘ اقربا پروری ہو‘ قوم پرستی ہو تو یہ حکومت نہیں‘ یہ امن نہیں۔ یہ مسلمانوں کی حکومت نہیں بلکہ کچھ لوگوں کی ذاتی حکومت ہے جو چند دن یہ ریاست چلا کر غائب ہو جائیں گے۔

امام کا تصرف اُمّت کی مصلحت کی خاطر ہوتا ہے۔ وہ مصالح عامہ کو دیکھتا ہے‘ ذاتی مصالح کو نہیں دیکھتا۔ اگر اپنوں کو نوازنا ہے تو یہ کام تو پچھلی حکومت میں ہو رہا تھا۔ ثباتِ امن کے دوام کے لیے شرط یہ ہے کہ خواہشات کو ترک کیا جائے‘ تمام خواہشات شریعت کے تابع ہوں۔ اپنی ذات میں بھی شریعت کا نفاذ ہو‘ اپنے گھر اور ادارے میں شریعت کو نافذ کرنا ہے۔ اگر آپ اپنے گھر میں شریعت نافذ نہیں کرتے تو پھر آپ کو یہ حق حاصل نہیں کہ آپ اس ملک میں شریعت نافذ کریں۔ اگر آپ کی اپنی ذات اور اپنے شعبے میں شریعت نافذ نہیں تو کیسے لوگ آپ کے اس دعوے کو سچا مان لیں گے کہ مَیں اس سرزمین پر شریعت نافذ کرنا چاہتا ہوں۔ پھر تو میرا یہ دعویٰ جھوٹا ہوگا۔

شریعت کے نفاذ کا آغاز اپنی ذات سے ہوتا ہے۔ ہم نے اپنے آپ کو شریعت کے تابع کرنا ہے نہ کہ شریعت کو اپنے تابع کرنا ہے۔ شریعت کے والی اور مسئول کو تعزیرات کے معاملے میں معلوم ہونا چاہیے کہ کون مارے جانے کے قابل ہے‘ کون قید کرنے کے قابل ہے‘ کس کے ساتھ سختی سے بات کرنی ہے۔ لوگوں کے ان منازل اور مراتب کا علم ایک مسئول کو ہونا چاہیے۔ آج ہمیں ملت کی سرپرستی کی ذمہ داری دی گئی ہے۔ ہر ایک اپنا حق مانگتا ہے۔ چاہے کوئی بوڑھا ہے یا جوان‘ مرد ہے یا عورت‘ یتیم ہے یا بیوہ ان تمام کی حوائج پوری کرنی ہیں۔ اگر ہم نے اپنے ذاتی مفاد کو ترجیح دی تو پھر یہ امن ختم ہو جائے گا۔ جب خواہشات ترجیح بن جائیں تو امن رخصت ہو جاتا ہے۔ پچھلی حکومت میں خواہشات کی حکومت تھی‘ اس لیے امن نہیں تھا۔ مجاہدین کے منہج میں شریعت حاکم ہے‘ خواہشات نہیں‘ لہٰذا امن قائم ہے۔ یہ امن و امان اگر باقی رہے گا تو

شریعت کے ساتھ باقی رہے گا۔ جب خواہشات اور ذاتی مفاد پیچھے رہ جائیں گے تب شریعت کا نفاذ ہوگا۔

شیوخِ کرام! مَیں آپ کو تاکید کرتا ہوں کہ اپنے مناصب پر رہتے ہوئے اپنے اُمراء کی اطاعت کیا کریں۔ مقامی امیر اپنے والی کی اطاعت کرے‘ والی اپنے وزیر کی اور وزیر اپنے امیر کی اطاعت کرے۔ اگر یہ اطاعت رہے گی تو خواہشات کا خاتمہ ہوگا اور اگر اس اطاعت میں کوئی بے نظمی شروع ہوگئی تو ہر کوئی کہے گا کہ مَیں ہی حاکم ہوں‘ کسی کی اطاعت کی ضرورت نہیں۔ ایک دوسرے کی شکایتوں کا سلسلہ شروع ہوجائے‘ ایک دوسرے سے حسد ہونے لگے‘ اختلافات شروع ہوجائیں تو پھر خواہشات کی حکومت ہوگی۔ شریعت کی حاکمیت دو طبقات سے وجود میں آتی ہے ایک حاکم اور دوسرے علماء۔ اگر یہ دونوں ایک دوسرے سے جڑے رہیں یعنی علماء شریعت کے اخلاق کی ترغیب وتشویق دیتے رہیں اور مسئولین کو انحراف سے اور تجاوزات سے روکتے رہیں۔ اگر علماء اپنا یہ فرض ادا کرتے رہیں اور مسئولین علماء سے استغناء اختیار نہ کریں تو شریعت قائم رہے گی۔ اگر حکام نے علماء کے لیے اپنے دروازے بند کیے تو پھر شریعت باقی نہیں رہے گی۔ مجاہدین کی جو جہاد کی ذمہ داری تھی وہ انہوں نے پوری ہمت وحوصلے کے ساتھ سرانجام دی ہے۔ قربانیاں دیں‘ اپنے گوشت اور خون سے کُفّار سے بڑا سخت مقابلہ کیا۔ اللہ جل جلالہ ان کی قربانیاں قبول فرمائے۔ انہی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ہمیں فتح سے نوازا ہے۔ اب جب شریعت کی تنفیذ کی باری آئی تو یہ مجاہدین کا کام نہیں‘ یہ علماء کا کام ہے۔ علماء اب اس نظام کی خاطر اطاعت کو لازم پکڑیں گے اور اپنی عملی اطاعت سے دوسروں کو بھی اطاعت کا درس دیں گے۔ دنیا کے مسلمان اب تم سے رہنمائی چاہتے ہیں‘ علمی اور اخلاقی رہنمائی کے منتظر ہیں۔

علماء کی ذمہ داری صرف یہ نہیں کہ وہ افغانستان میں اسلامی نظام کو کامیاب بنائیں‘ بلکہ پوری دنیا میں شریعت کی راہبری اور راہنمائی افغان علماء کی ذمہ داری ہے۔ حکومتی عہدوں میں بھی علماء آئیں گے۔ مَیں علماء کی ایسی ٹیمیں تشکیل دوں گا جو حکومتی عہدے سنبھال لیں۔ کیا تم میری بات مانو گے؟ ''جی مانیں گے!'' (سامعین کا بلند آواز میں جواب)۔ دیکھو عہد کے بدلے عہد۔ اگر تم میری بات مانو گے تو مَیں بھی تمہاری بات مانوں گا۔ اگر تم نہیں مانو گے تو مَیں نام کی قیادت نہیں چاہتا۔ مَیں ویسے بھی آپ کا سیاسی قائد نہیں‘ مَیں وزیر اعظم نہیں۔ مَیں

انتخابات والا لیڈر نہیں‘ مَیں جھوٹا قائد نہیں کہ دنیا میں اپنا نام چمکانے کے لیے بڑے بڑے وعدے کروں۔ اگر مجھے اپنا قائد مانتے ہو تو پھر میری بات مانو گے۔ اگر مَیں کسی کو کہیں ذِمہ داری کے لیے بھیجنا چاہوں اور وہ عذر پیش کرے تو مَیں علماء کرام سے پوچھتا ہوں کہ یہ عذر قبول کیا جائے یا نہیں؟ اگر وہ کہیں کہ یہ عذر قابلِ قبول نہیں تو پھر مَیں ان کو بھیج دیتا ہوں۔ اگر حکام اور علماء کے مابین یہ وحدت نہیں رہی تو شریعت قائم نہیں رہے گی۔ ہمارا کام ہے اُن کے فیصلوں کو ماننا اور اجراء کرنا۔ اگر علماء فیصلے کریں اور ہم تنفیذ نہ کریں یا ہم ان کو فیصلے کا اختیار نہ دیں تو پھر شریعت کا نفاذ ممکن نہیں۔ مَیں تو اللہ سے پناہ چاہتا ہوں کہ مَیں اس امتحان میں مبتلا ہوجاؤں‘ لیکن مَیں قاضیوں سے کہتا ہوں کہ ایسا عدل قائم کریں جیسے خلیفہ وقت حضرت علیؓ قاضی شریح کی عدالت میں ایک زرہ کے کیس میں ایک یہودی مدّعی کے ساتھ پیش ہوں اور فیصلہ بھی خلیفہ وقت کے خلاف آجائے اور یہودی بھی کہے کہ قاضی خلیفہ کا ہے اور فیصلہ میرے حق میں ہوا! مَیں اللہ سے نہیں مانگتا کہ مَیں ایسی آزمائش میں آجاؤں۔ لیکن اگر ایسا موقع مجھے یا میرے مسئولین کو پیش آئے تو ہم بھی مدّعی کے ساتھ قاضی کے سامنے پیش ہوں اور پھر ایسا ہی مبنی بر عدل فیصلہ ہو۔ یہی میرا ہدف ہے اور یہی اللہ تعالیٰ سے مانگتا ہوں‘ اللہ کرے کہ ایسا نظام آجائے۔

عدل حکومت کی بقا کا ذریعہ ہوتا ہے‘ ظلم کے ساتھ حکومت باقی نہیں رہ سکتی۔ اگر ایک بے گناہ پر بھی ظلم ہوا تو مظلوم اور اللہ کے درمیان کوئی حجاب نہیں ہوتا‘ ایک ہی لمحے میں تمہاری پوری کی پوری امارت دھڑام سے گر جائے گی۔ اگر عدل نہیں رہا‘ ظلم شروع ہوا‘ ماورائے عدالت قتل شروع ہوگئے‘ تو یہ ملک تباہ ہوجائے گا۔ اس ظلم کی روک تھام علماء کے مبنی برحق فیصلوں اور حکومت کی صحیح تنفیذ کے ساتھ مشروط ہے۔ ایسا نہ ہو کہ پانچ روپے کے جرم میں تو کسی کو سزا دی جائے اور دوسری طرف سینکڑوں مربع زمین کے مقدّمے میں کسی کو چھوڑ دیا جائے‘ اس لیے کہ اس کے پاس قوت اور سفارش ہے‘ جیسے گزشتہ حکومت میں ہوتا تھا۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ اب بھی ایک بدمعاش کابل میں اپنی سکیورٹی کے ساتھ گھومتا پھرتا ہے۔ مَیں کہتا ہوں کہ اگر تم اس پر ہاتھ نہیں ڈال سکتے تو مَیں خود اس کو گریبان سے پکڑوں گا۔ یہ تو اس مِلّت کے ساتھ مذاق ہے کہ وہ یہ دیکھے کہ کل جو بدمعاش ہمیں پاؤں تلے روندتا تھا وہ آج بھی سرِعام اس امارت میں اپنے غرور و تکبّر کے ساتھ گھومتا پھرتا ہے (سامعین کی جانب سے نعرہ تکبیر کی گونج)۔ ایک قوت اور ایک

وحدت بن جاؤ! ظلم کا ہاتھ روکو' ظالم دوبارہ اس مقدس زمین پر قدم نہ رکھے۔ اب اللہ کے فضل سے امن آ چکا ہے اور فتنہ وفساد رفع ہو چکا ہے۔ اللہ کی لعنت ہو اُن پر جو دوبارہ فتنہ وفساد برپا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اپنی صفوں سے مفسدین کو نکال دو' یہ آپ کے درمیان فساد کے علاوہ اور کچھ بھی پیدا نہیں کرتے۔

ہم نے مفسدین کو معاف ضرور کیا ہے لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ ہم ان کو اپنی صفوں میں بٹھالیں۔ یہ مجاہدین اور شہداء کے یتیم بچوں کی دل آزاری ہوگی۔ یہ آزمودہ لوگ ہیں' ان کو دوبارہ آزمانے کی ضرورت نہیں۔ علماء کو چاہیے کہ ان کو نصیحت کریں: ((اَلدِّیْنُ النَّصِیْحَۃُ))۔ ایک درخواست علماء سے یہ ہے کہ وہ ہمیں اس طریقے سے نصیحت فرمائیں جس کا اثر ہو۔ نصیحت کا یہ طریقہ نہیں کہ علانیہ تنقید کی جائے اور خامیاں ظاہر کی جائیں۔ نصیحت تو وہ ہے جو خلوت میں کسی کو سمجھایا جائے۔ علانیہ تنقید سے اُلٹا اثر ہوتا ہے' نظام ڈھیلا پڑ جاتا ہے' بے اعتمادی کی فضا پھیل جاتی ہے اور علماء اور امارت کے درمیان ایک خلیج پیدا ہو جاتی ہے۔ ''مجمع الزوائد'' کی حدیث ہے کہ سلطان کو نصیحت خلوت میں کیا کرو۔ حجاج بن یوسف مدینہ کا بڑا ہی ظالم اور جابر حاکم تھا' لیکن اُس وقت فتنے اور فساد کے خدشے کے پیش نظر صحابہ کرام ؓ نے اس کی حکومت برداشت کی۔ یہاں تک کہ حضرت انس ؓ نے عبدالملک بن مروان کو صرف اتنی شکایت کی کہ حجاج لوگوں پر سختی کرتا ہے۔ ان کو معلوم تھا کہ حاکم کے خلاف بغاوت سے مزید فساد اور فتنہ پھیلے گا۔ یہ نصیحت تو علماء کی ذمہ داری ہے کہ وہ حاکموں کو نصیحت کریں' لیکن اُمراء کو بھی چاہیے کہ آپس میں تواصی بالحق کا عمل جاری رکھیں۔ آپس میں دینی مذاکرہ کریں' اپنے آپ کو جسدِ واحد کی طرح پیش کریں۔ ایک دوسرے کی شکایتیں نہ لگائیں۔

دشمن اب اس بات کی کوشش کر رہا ہے کہ تمہاری صفوں میں دراڑ ڈالے۔ جیسے غزوۂ احزاب کے موقع پر کُفّار کی شکست کے بعد رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا: ((اَلْآنَ نَغْزُوْھُمْ وَلَا یَغْزُوْنَنَا)) (اب قریش ہم پر حملہ آور نہیں ہوں گے بلکہ ہم ان پر حملہ آور ہوں گے!) اسی طرح افغانستان میں بھی اَحزاب شکست کھا چکے ہیں۔ اب ان شاء اللہ آئندہ ان میں ہمت ہی نہیں ہوگی کہ یہ افغانستان پر دوبارہ حملہ آور ہوں۔ لیکن وہ فتنہ اور پراپیگنڈا ضرور جاری رکھیں گے۔ وہ اب حکومت اور رعایا کے درمیان فاصلہ پیدا کرنے کی کوشش میں لگے رہیں

گے' اختلافی موضوعات کو اٹھانے کی کوشش کریں گے' خود حکومتی ڈھانچے میں لوگوں کو ایک دوسرے کے خلاف بھڑکائیں گے تاکہ حکومتی نظم ڈھیلا پڑ جائے۔ ان تمام حربوں سے وہ امارت کا خاتمہ چاہیں گے۔ اگر ہماری وحدت برقرار رہی' علماء اور حکومت کے درمیان فاصلہ ختم ہو گیا اور فاصلہ پیدا کرنے والوں کو روکا گیا تو' ان شاء اللہ' امارت مستحکم رہے گی۔ آج دشمن کے پروپیگنڈے کا مقصد ہی امارت کو حقیر دکھانا ہے۔ یہ ہمارا ملک ہے' ہمارا اختیار ہے' ان کو ہمارے نظام اور مسائل سے کیا سروکار ہے!

مَیں ایک بات پوچھنا چاہتا ہوں' اگرچہ مَیں ایک سادہ سا بندہ ہوں' حکومت و سیاست سے زیادہ واقف نہیں' لیکن مجھے یہ بتاؤ کہ تم یہ چاہتے ہو کہ مَیں اپنے معاملات اپنے اختیار سے چلاؤں یا دوسروں کے اشاروں پر چلاؤں؟ ''اپنی رائے اور اپنے اختیار سے!'' (سامعین کی طرف سے بلند آواز) آج اللہ تعالیٰ کے عظیم فضل و احسان سے افغانستان ایک خودمختار ملک ہے' دوسروں کے اشاروں پر نہیں چل رہا۔ ایک ملک اُس وقت تک ترقی نہیں کر سکتا جب تک وہ خودمختار نہ بن جائے۔ آج دنیا نہیں چاہتی کہ افغانستان اپنے فیصلے خود کرے' بلکہ وہ چاہتے ہیں کہ ہم اُن کے اشاروں پر چلیں (غصے سے آواز اونچی ہوئی)۔ وہ ہمیں مشورے دے رہے ہیں کہ یہ کام ایسے کرو اور فلاں کام ایسے کرو۔ انہیں میرے معاملات اور مسائل سے کیا لینا دینا ہے؟ اپنے کام سے کام رکھو' ہمارے معاملات میں مداخلت نہ کرو! مَیں تمہاری فرمائشیں نہیں مانتا اور نہ تمہارے ساتھ ایک قدم چلنے کو تیار ہوں اور نہ شریعت کے معاملے میں تمہاری ایک بھی بات سننے کو تیار ہوں۔ تم نے پہلے ہم پر بموں کی ماں (mother of all bomb) کا استعمال کیا' اب اگر تم ہم پر ایٹم بم بھی گرا دو تو بھی ہم اپنے موقف سے ایک انچ بھی پیچھے ہٹنے والے نہیں۔ ہمارے اور اللہ عزّوجل کے درمیان ایک تعلق ہے۔ ہم نے کلمہ پڑھا ہے' ہم اپنی موت و حیات کا مالک اللہ کے سوا کسی کو نہیں مانتے۔ کوئی بھی غلط فہمی میں نہ رہے۔ میرا تو دوٹوک موقف ہے کہ ہم اللہ کے سوا کسی اور قوت کے سامنے نہیں جھکیں گے!

یہ تو آج صرف میڈیا میں ہمارے خلاف پروپیگنڈا کر رہے ہیں' ہمیں اپنی باتوں سے سرنڈر کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ یہ اگر ہم پر ایٹم بم بھی گرا دیں اور ہمیں پگھلا دیں' ہم پھر بھی سرنڈر نہیں ہوں گے۔ حضرت حمزہ ؓ بھی تو اللہ کے دین کی وجہ سے بے دردی سے شہید ہوئے

اوران کا مثلہ کیا گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے کہا تھا کہ اگر مجھے ان کی بہن کا خیال نہ ہوتا تو مَیں حمزہ کو نہ دفناتا‘ تاکہ وہ اسی مظلومیت کی حالت میں اُٹھائے جائیں۔ ہم بھی آج یہی چاہتے ہیں کہ اللہ کے دین کی خاطر مظلومیت کے شکار ہوں اور اللہ تعالیٰ ہماری مظلومیت خود دیکھ لے۔ شہادت ہماری ناکامی نہیں‘ بلکہ کامیابی ہے۔ تم ہم پر دوبارہ بھی ایٹم بم برسا دو‘ لیکن ہم اس راستے میں ایک قدم بھی تمہارے ساتھ نہیں اُٹھائیں گے جس سے اللہ ناراض ہوتا ہو۔ آج الحمدللہ! اللہ ربّ العزت نے ہمیں عظیم فتح و کامرانی سے نوازا ہے۔ ابھی ہمیں صرف دس ماہ ہوئے ہیں‘ لیکن تاریخ میں پہلی بار ایسا موقع آیا ہے کہ ان دس ماہ میں پورا افغانستان ایک امارت کے جھنڈے تلے ہے۔ اس امارت کی بقا ہماری وحدت میں ہے۔

میرے مسلمان بھائیو! قیادت علماء کے پاس ہونی چاہیے اور علماء کو بھی یہ کوشش کرنی چاہیے کہ علم کی ترویج کریں۔ جہاں تک بات ہے معیشت کی تو معیشت کا تعلق ملک کے امن و امان کے ساتھ ہے۔ ان شاء اللہ‘ امن آنے کے بعد اللہ جل جلالہ ہماری معیشت کو بھی بہتر بنا دے گا۔ اقتصاد کی بہتری اپنوں کے تعاون سے ہوتی ہے‘ لہٰذا تم بیرونی امداد پر بھروسہ نہ رکھو اور نہ بیرونی امداد ہماری معیشت کو مضبوط بنا سکتی ہے۔ اقتصاد کی بہتری اور احتیاج و غربت سے نجات کے لیے اپنی ہمت ضروری ہے۔ مَیں افغان تاجروں سے کہنا چاہوں گا کہ وہ آئیں اور اپنے ملک میں سرمایہ کاری کریں۔ اب ان کو کیا خطرہ ہے؟ امن و امان قائم ہے۔ آؤ اور اپنے ملک کو آباد کرو! کیا تم اب ان کفّار سے توقع رکھو گے کہ وہ آ کر آپ کے ملک کو ترقی دیں گے؟ اور یہ جو ہمارے بھائی ملک سے باہر رہتے ہیں ان کو چاہیے کہ وہ ہمارے خلاف پروپیگنڈا نہ کریں۔ اگر وہ ایسا کریں گے تو تمام افغان ان کے خلاف ہوں گے۔ ہم نے تمہیں معاف کیا ہے‘ ہم تم سے انتقام نہیں لیں گے‘ آؤ اپنے ملک میں رہو! جو عزّت آپ کو اپنے ملک میں مل سکتی ہے وہ آپ کو کسی کافر ملک میں کبھی بھی نہیں مل سکتی۔ آؤ اپنے ملک میں رہو! ہم آپ سے کسی قسم کا حساب بھی نہیں لیں گے۔ لیکن ہاں‘ شرارت اور فتنہ انگیزی میں ہرگز ہاتھ نہ ڈالنا‘ امن کو نقصان نہ پہنچانا! اس لیے کہ اگر امن کو نقصان پہنچایا تو پھر تمہیں پکڑیں گے۔ ہم نے تو اُن کو بھی معاف کیا جن کے ہاتھ ہمارے خون سے رنگے ہوئے ہیں‘ اگرچہ ہم یہ حق رکھتے ہیں کہ ان سے بدلہ لیں‘ لیکن ہم ان سے بھی انتقام نہیں لیں گے‘ تو ہم اپنے مسلمان بھائیوں کے بارے میں کیسے بُرا سوچ سکتے ہیں۔

ہم اپنے پڑوسیوں کو بھی یقین دہانی کرانا چاہتے ہیں کہ وہ یہ نہ سوچیں کہ ہم ان کو نقصان پہنچائیں گے۔ ہم اسلام کے نام لیوا ہیں اور اسلام سلامتی کا دین ہے۔ ہم امن و سلامتی چاہتے ہیں اور خالص اسلامی نظام چاہتے ہیں۔ یہ ساری چیزیں بڑی واضح ہیں۔ ہم دوسروں کے اشاروں پر نہیں چلتے‘ اپنی آزاد رائے اور اختیار سے اپنے معاملات طے کرتے ہیں۔ اگر کوئی ہم سے دشمنی مول لینا چاہتا ہے تو وہ کھل کر کرے۔ ہم جو بات کریں گے‘ ان شاء اللہ‘ اس پر قائم رہیں گے‘ کیونکہ ہم اپنے فیصلے خود کرتے ہیں‘ ہم خود مختار ہیں! اللہ جل شانہ ہماری اس خودداری اور خود مختاری کو قائم رکھے۔ مَیں تمام علماء سے درخواست کرتا ہوں کہ تفرقہ کی بات نہ کریں‘ افہام و تفہیم سے چلیں۔ اللہ تعالیٰ نے ایک عظیم موقع عطا فرمایا ہے‘ اس عظیم موقع کو چھوٹی چھوٹی اختلافی باتوں کی وجہ سے ضائع مت کرنا۔ ایک بات غور سے سنو کہ ہم حاکم ہرگز نہیں‘ ہم تو خادم ہیں! حکم تو اللہ کا ہے اور ہمارا کام تو بس کتاب اللہ‘ سنّتِ رسول اللہ ﷺ اور فقہ حنفی کی تنفیذ ہے۔ ہم شریعت کے خادم ہیں۔ اللہ تعالیٰ صحیح معنوں میں افغانستان میں شریعت کو ہماری مخدوم بنا دے!

بھائیو! مَیں تمہیں نصیحت نہیں کرنا چاہتا۔ یہ علماء کا اجلاس تھا‘ بس ایک یاد دہانی اور مذاکرہ تھا۔ اللہ تعالیٰ ان علماء کی برکت سے سرزمین افغانستان میں شریعت کا نظام نافذ فرمائے۔ علماء نے جب مجھ سے اس اجلاس کے بارے میں بات کی تو مَیں نے کہا تھا کہ علماء جہاں بھی اجلاس کریں گے‘ چاہے قندھار میں ہو‘ کابل میں ہو‘ بدخشاں میں ہو یا نورستان میں ہو‘ مَیں ضرور پہنچوں گا۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے بڑی سعادت بخشی ہے کہ مَیں نے اس مبارک اجلاس میں شرکت کی۔ اللہ تعالیٰ آپ سب کا آنا‘ بیٹھنا اور علماء کی باتیں سننا قبول فرمائے۔ بس مَیں اسی پر اکتفا کرتا ہوں‘ اللہ تعالیٰ آپ کو خیر و عافیت میں رکھے۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ ربّ العالمین!!

(ترجمہ: نور الوریٰ‘ امیر تنظیم اسلامی‘ حلقہ لاہور شرقی)

❁❁❁

میثاق‘ حکمت قرآن اور ندائے خلافت کے انٹرنیٹ ایڈیشن
تنظیم اسلامی کی ویب سائٹ www.tanzeem.org پر ملاحظہ کیجیے۔

فضائی سفر کی باطنی کیفیات

عبدالرؤف ٭

کافی عرصہ بعد گزشتہ سال لاہور سے کراچی فضائی سفر کا موقع ملا۔ اِس سے پہلے ۱۹۹۰ء میں حج کا سفر کیا تھا جس کے بعد فضا میں سفر کا یہ دوسرا موقع تھا۔ سفر کے بارے میں ایک مقولہ ہے کہ یہ وسیلہ ظفر (کامیابی) ہوتا ہے‘ لیکن میرا یہ سفر اس سے بھی بڑھ کر آخرت کی یاددہانی کا باعث بنا۔

جب میں لاہور کے ہوائی اڈے کی عمارت میں داخل ہوا تو ایک جاننے والے کے توسط سے وہاں پر ملازم لڑکا بطور مددگار مل گیا جس کی راہنمائی میں اپنے سامان کی بکنگ کروائی اور بورڈنگ کارڈ حاصل کیا۔ اس کے بعد جہاز کی طرف اکیلے جاتے ہوئے میری نگاہوں میں وہ منظر آ گیا کہ جب ہم اپنے کسی عزیز کو جنازہ پڑھانے کے بعد قبر کے حوالے کرتے ہیں تو دفن کرنے کے بعد سب لوگ واپس لوٹ آتے ہیں اور وہ اکیلا ہی منکر نکیر کے سوالات کا سامنا کرتا ہے‘ اُس کے لواحقین تو زیادہ سے زیادہ قبر پر کھڑے ہو کر اس کی ثابت قدمی کے لیے دعا ہی کر سکتے ہیں۔ بالکل اسی طرح طیارے کے مسافروں کے لواحقین بھی ایئرپورٹ کی عمارت کے باہر کھڑے ہو کر اُن کے محفوظ سفر کی دعا ہی کر سکتے ہیں۔ جب طیارہ محوِ پرواز ہوا تو آغاز میں لاہور شہر کی سڑکیں اور عمارتیں صاف نظر آ رہی تھیں لیکن جوں جوں طیارہ اوپر اٹھتا چلا گیا تمام چیزیں چھوٹے چھوٹے تنکوں کی شکل اختیار کرتی چلی گئیں‘ یہاں تک کہ اب ہر طرف بادل ہی بادل نظر آنے لگے۔ مجھے یوں احساس ہوا کہ جو زمین ہمیں بہت بڑی نظر آتی ہے‘ اللہ کی پوری کائنات کے مقابلے میں تو یہ بہت ہی چھوٹی ہے۔ تب میرے ذہن میں نظامِ شمسی کا وہ سارا نقشہ گھومنے لگا جو کافی عرصہ پہلے ایک ڈاکیومنٹری میں دیکھا تھا۔

اُس میں بتایا گیا تھا کہ اس کائنات کی وسعت کا اندازہ اِس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ

٭ معاون مرکزی شعبہ تربیت‘ تنظیم اسلامی

نظامِ شمسی اس میں ایک نقطے (dot) کی طرح نظر آ رہا ہے۔ اِس کہکشاں کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک پہنچنے کے لیے ایک لاکھ نوری سال چاہئیں۔ روشنی ایک سیکنڈ میں تقریباً تین لاکھ کلومیٹر یا ایک لاکھ چھیاسی ہزار میل کی رفتار طے کرتی ہے۔ جب اس کو ساٹھ سے ضرب دیں تو پتہ چلے گا کہ روشنی نے ایک منٹ میں کتنا سفر طے کیا۔ اس حاصل ضرب کو ساٹھ سے ضرب دینے سے پتہ چلے گا کہ روشنی نے ایک گھنٹہ میں کتنا سفر طے کیا۔ اِس حاصل ضرب کو چوبیس سے ضرب دینے سے معلوم ہوگا کہ روشنی نے ایک دن میں کتنا سفر طے کیا۔ اِس حاصل ضرب کو تیس سے ضرب دینے سے معلوم ہوگا کہ روشنی نے ایک ماہ میں کتنا سفر طے کیا جبکہ اس کے حاصل ضرب کو بارہ سے ضرب دینے سے پتہ چلے گا کہ ایک سال میں روشنی نے کتنا سفر طے کیا۔ ایک سال میں روشنی جتنا سفر طے کرتی ہے اُس کو ایک نوری سال (Light Year) کہا جاتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہا جاسکتا ہے کہ اگر ہم ایک ایسا راکٹ بنالیں جو روشنی کی رفتار سے چلے تو اِس کہکشاں کے ایک کنارے سے دوسرے کنارے تک پہنچنے کے لیے ہمیں ایک لاکھ سال لگیں گے۔ اِس کہکشاں میں مرکز سے تیس ہزار نوری سال کے فاصلے پر واقع ہمارا نظامِ شمسی ہے۔ اس میں سب سے بڑا سورج‘ پھر اس کے تمام سیارے جن میں ایک زمین ہے۔ زمین کے لگ بھگ دو تہائی حصے پر پانی جبکہ ایک تہائی حصے میں حضرت انساں۔ پوری کائنات میں انسان کی حیثیت کا اندازہ لگائیں تو یہ تعداد نہ ہونے کے برابر (negligible quantity) ہے۔ گویا ہمارا کوئی وجود ہی نہیں۔ اس کے باوجود میرا ’تکبر‘ میری ’اَنا‘ یعنی ’میں‘ ’میرا یہ‘ ’میرا وہ‘ ’میری بات کیوں نہیں مانی گئی‘ ’میری بات کیوں نہیں سنی گئی‘ ’میری بات کو کیوں اہمیت نہیں دی گئی!‘

اِس سوچ میں گم تھا کہ طیارے میں کچھ نزولی حرکت محسوس ہوئی اور پھر اعلان ہوا کہ کچھ ہی دیر میں ہم کراچی کے انٹرنیشنل ایئرپورٹ پر اترنے والے ہیں۔ جب طیارہ ٹرمینل پر آ کر رکا تو ایسے محسوس ہوا جیسے قبر سے نکل کر میدانِ حشر میں جمع ہونے کا وقت آ گیا ہے۔ آخرت کے سفر کی پہلی منزل یعنی قبر کے متعلق حضرت عثمان غنی ؓ کا طرزِ عمل یہ تھا کہ جب بھی کسی قبر کے پاس سے گزرتے تو آنکھوں میں ساون کی جھڑی لگ جاتی۔ صحابہؓ کے دریافت کرنے پر بتاتے کہ قبر کو دیکھ کر مَیں اس لیے روتا ہوں کہ یہ آخرت کے سفر کی پہلی منزل ہے۔ ہم بھی اِس پہلی منزل سے نکل کر اگلی منزل کی طرف رواں دواں ہو گئے۔ کچھ ہی دیر بعد مسافر سامان والی بیلٹ کے گرد

بالکل ایسے کھڑے تھے جس طرح احادیث میں اُن مالدار لوگوں کا ذکر آتا ہے جو چاہے مومن ہوں یا کافر انہیں اپنی ایک ایک چیز کا حساب دینا ہوگا' تب کہیں اِس مشکل مرحلے سے گزر سکیں گے۔ البتہ وہ مسافر جس کے پاس صرف کوئی دستی بیگ' پرس یا شاپر تھا انہیں اپنا سامان لینے کے لیے رکنا ہی نہ پڑا' ان مومنین صادقین کی طرح جو ہلکے پھلکے ہونے کی وجہ سے بغیر کسی حساب کتاب ہی کے جنّت میں چلے جائیں گے۔ میرے پاس اپنا ذاتی سامان تو بہت مختصر تھا جو میرے ہاتھ ہی میں تھا لیکن دینی کتابوں کا بیس کلوگرام پر مشتمل ایک کارٹن بُک کرایا ہوا تھا جو میں نے اُسی قطار میں لگ کر لینا تھا۔

اِس موقع پر مجھے خیال آیا کہ اگر حشر کے میدان میں بھی میری پیشی اِسی طرح دینی کتابوں کے بنڈل کے ساتھ ہوگئی تو میرے پاس کوئی عذر تو ہوگا جس کی وجہ سے مجھے اللہ تعالیٰ معاف فرما کر جنّت میں بھیج دے' لیکن پھر ایک دم حضرت عبدالرحمٰن بن عوف ؓ یکے از عشرہ مبشرہ کا نقشہ ذہن میں گھوم گیا۔ مسند احمد کی ایک روایت میں سیّدنا ابوامامہ ؓ سے مروی یہ الفاظ آئے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میں جنّت میں داخل ہوا تو میری ساری اُمّت ایک ایک کر کے میرے سامنے پیش کی گئی اور لوگ گزرتے گئے۔ مجھے عبدالرحمٰن ؓ بن عوف دکھائی نہ دیے۔ میں اُن کی طرف سے مایوس ہو چکا تھا کہ وہ آ گئے۔ میں نے کہا: عبدالرحمٰن تم کہاں رہے؟ انہوں نے کہا: اللہ کے رسول ﷺ! میرے والدین آپ پر فدا ہوں۔ اُس ذات کی قسم جس نے آپ ﷺ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا ہے' میں آپ تک بمشکل پہنچا ہوں۔ میں تو سمجھ رہا تھا کہ اب میں بہت زیادہ مشکلات کے بعد ہی آپ ﷺ کی زیارت کر سکوں گا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: وہ کیوں؟ انہوں نے کہا: مال و دولت کی کثرت کی وجہ سے میرا بہت سخت حساب لیا گیا اور کوتاہیوں سے پاک کیا گیا۔'' اس کا تو یقیناً کوئی امکان نہیں کہ عبدالرحمٰن بن عوف ؓ جیسے جلیل القدر صحابی کے مال میں کسی حرام کی آمیزش ہو یا انہوں نے اپنا مال ادائے حقوق اور انفاق فی سبیل اللہ کے علاوہ کسی بھی قسم کے اسراف' تبذیر یا فضول خرچی میں لگایا ہو' لیکن اس کے باوجود یہ حدیثِ رسول ﷺ بتا رہی ہے کہ مالدار آدمی چاہے صحابی رسول اور یکے از عشرہ مبشرہ ہی کیوں نہ ہو' مال کے کمانے اور خرچ کرنے کا حساب اُس سے بھی لیا جائے گا۔ ایسے میں ہمارے جیسے حقیر' پُر تقصیر انسانوں کی کیا وقعت ہے کہ دنیا میں مال اور جائیدادیں بھی بنائیں' حرام

پر مبنی نظام معیشت کے اندر پھلنے پھولنے کی بھی کوشش کریں اور پھر اللہ سے یہ اُمید بھی لگائے رکھیں کہ ہمیں یوں ہی چھوڑ دیا جائے گا۔

اپنا سامان لے کر ایئرپورٹ کی حدود سے باہر نکلتے ہوئے ایک اور منظر میرے سامنے آیا اور وہ یہ کہ لاؤنج میں ایک مذہبی سیاسی جماعت کے ایک دھڑے کے سربراہ اکیلے ہی بیٹھے ہوئے تھے جس سے میرے سامنے سورۃ مریم کی یہ آیت آ گئی:

﴿وَ كُلُّهُمۡ اٰتِيۡهِ يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ فَرۡدًا ﴿۹۵﴾﴾

''اور (قیامت کے دن) سب کے سب آنے والے ہیں اُس کے پاس اکیلے اکیلے۔''

سفرِ آخرت کے ساتھ فضائی سفر کی ایک اور مشابہت یوں سامنے آ گئی کہ ایئرپورٹ کے اندر ایک وی وی آئی پی (VVIP) لاؤنج بھی ہوتا ہے جہاں سے کچھ بڑی شخصیات کو بغیر کسی چیکنگ کے گزارا جاتا ہے اور وہ بڑے سکون و اطمینان کے ساتھ خصوصی سہولیات کا مزا لیتے ہوئے اپنی منزل کی طرف رواں دواں ہو جاتے ہیں۔ پھر جب کسی دوسرے ملک میں جا کر اُترتے ہیں تو وہاں نہ صرف انہیں توپوں کی سلامی دی جاتی ہے بلکہ اس کے ساتھ گارڈ آف آنر بھی پیش کیا جاتا ہے۔ اُس ملک کا صدر' وزیر اعظم یا ان کا کوئی خصوصی نمائندہ پُرتپاک استقبال کرتے ہوئے سرخ قالین سے گزار کر گاڑی میں بٹھاتا ہے اور سپیشل سکیورٹی کے ساتھ ہٹو بچو کی صداؤں میں ایوانِ صدر کی عمارت میں لے جایا جاتا ہے۔ اس کے ساتھ ہی میرے ذہن میں سورۃ الزمر کی آیات ۷۳ اور ۷۴ کے الفاظ گونجنا شروع ہو گئے:

﴿وَسِيۡقَ الَّذِيۡنَ اتَّقَوۡا رَبَّهُمۡ اِلَى الۡجَـنَّةِ زُمَرًا‌ ؕ حَتّٰٓى اِذَا جَآءُوۡهَا وَفُتِحَتۡ اَبۡوَابُهَا وَقَالَ لَهُمۡ خَزَنَتُهَا سَلٰمٌ عَلَيۡكُمۡ طِبۡتُمۡ فَادۡخُلُوۡهَا خٰلِدِيۡنَ ﴿۷۳﴾ وَقَالُوا الۡحَمۡدُ لِلّٰهِ الَّذِىۡ صَدَقَنَا وَعۡدَهٗ وَاَوۡرَثَنَا الۡاَرۡضَ نَتَبَوَّاُ مِنَ الۡجَـنَّةِ حَيۡثُ نَشَآءُ‌ ۚ فَنِعۡمَ اَجۡرُ الۡعٰمِلِيۡنَ ﴿۷۴﴾﴾

''اور لے جایا جائے گا اُن لوگوں کو جنّت کی طرف جو اپنے رب کا تقویٰ اختیار کیے رہے تھے گروہ در گروہ۔ یہاں تک کہ جب وہ وہاں پہنچیں گے اور اُس کے دروازے (پہلے ہی) کھولے جا چکے ہوں گے اور اُس کے داروغہ اُن سے کہیں گے کہ آپ پر سلام ہو' آپ لوگ کتنے پاکباز ہیں' اب داخل ہو جایئے اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہنے کے لیے۔ اور

وہ کہیں گے کہ کل حمد اور کُل شکر اُس اللہ کے لیے ہے جس نے ہم سے اپنا وعدہ پورا کر دیا اور ہمیں اُس زمین کا وارث بنا دیا کہ اب ہم گھر بنالیں جنت میں جہاں چاہیں۔ تو بہت ہی اچھا ہوگا اجر عمل کرنے والوں کا۔‘‘

غالباً ایسے ہی لوگوں کا ذکر سورۃ الانبیاء کی ان آیات میں آیا ہے:

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰٓى ۙ اُولٰٓئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُوْنَ
﴿١٠١﴾ لَا يَسْمَعُوْنَ حَسِيْسَهَا ۚ وَهُمْ فِيْ مَا اشْتَهَتْ اَنْفُسُهُمْ
خٰلِدُوْنَ ﴿١٠٢﴾ لَا يَحْزُنُهُمُ الْفَزَعُ الْاَكْبَرُ وَتَتَلَقّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ؕ
هٰذَا يَوْمُكُمُ الَّذِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ﴿١٠٣﴾﴾

’’’’یقیناً وہ لوگ جن کے لیے ہماری طرف سے پہلے ہی بھلائی کا فیصلہ ہو چکا ہے وہ اس (جہنم) سے دُور رکھے جائیں گے۔ وہ بڑی گھبراہٹ انہیں پریشان نہیں کرے گی اور فرشتے اُن سے ملاقاتیں کریں گے (یہ کہتے ہوئے کہ) یہ ہے آپ لوگوں کا وہ دن جس کا آپ سے وعدہ کیا گیا تھا۔‘‘

دنیا کا چندروزہ پروٹوکول تو اچھے برے سب لوگوں کو ہی مل جاتا ہے‘ بلکہ اچھے لوگوں کی نسبت شیطانی وطاغوتی غلبے کی وجہ سے بُرے لوگوں کو ہی زیادہ ملتا ہے‘ لیکن آخرت کا پروٹوکول ہر شخص کے لیے نہیں ہوگا۔ اُس کے لیے جن خصوصیات کی ضرورت ہے اُس کی مماثلت دنیا کی سات بڑی طاقتوں کے ساتھ بڑی واضح ہے جنہیں G-7 کا نام دیا جاتا ہے۔ طاغوتی نظام کے سب سے بڑے سہولت کار ہونے کے ناطے دنیا کی تیز ترین دھوپ میں بھی جس طرح یہ ہر وقت سائے میں رہتے ہیں بالکل اِسی انداز میں اللہ تعالیٰ حشر کے میدان کی تیز ترین دھوپ میں بھی سات قسم کے لوگوں کو ہی اپنا سایہ نصیب فرمائے گا جن کا ذکر بخاری و مسلم کی متفق علیہ حدیث میں اس انداز سے کیا گیا ہے کہ:

’’سات خوش نصیب ایسے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ اُس روز اپنا سایہ نصیب فرمائے گا جس روز اُس کے سائے کے سوا کوئی سایہ نہیں ہوگا:

(۱) عادل حکمران۔

(۲) وہ نوجوان جو اللہ کی عبادت میں پروان چڑھا۔

(۳) وہ آدمی جس کا دل مسجد کے ساتھ معلّق ہے۔

(۴) دو ایسے آدمی جو اللہ کی رضا کی خاطر باہم محبت رکھتے ہیں۔ اسی بنیاد پر وہ آپس میں ملتے ہیں اور اسی پر جُدا ہوتے ہیں۔

(۵) وہ آدمی جسے کسی باحیثیت اور حسین دوشیزہ نے برائی کی دعوت دی تو اُس نے کہا: میں اللہ سے ڈرتا ہوں۔

(۶) وہ آدمی جس نے صدقہ کیا تو اُسے اس قدر مخفی رکھا کہ اُس کا بایاں ہاتھ نہیں جانتا کہ اُس کے دائیں ہاتھ نے کیا خرچ کیا۔

(۷) وہ آدمی جس نے تنہائی میں اللہ کو یاد کیا تو اُس کی آنکھیں اشک بار ہوگئیں۔‘‘

اس فیصلے کا اختیار ہمارے ہاتھ میں ہے کہ ہم دنیا کا چندروزہ سایہ حاصل کرنا چاہتے ہیں جس کے بعد ہمیشہ کے لیے صرف دھوپ ہی نہیں بلکہ دہکتی ہوئی آگ ہماری منتظر ہے یا پھر دنیا کی چندروزہ دھوپ برداشت کر کے حشر کے میدان میں عرشِ الٰہی کا سایہ اور اس کے بعد ہمیشہ کے لیے جنت کے باغات میں رہنا چاہتے ہیں! فرق صرف یہ ہے کہ فرمان رسول ﷺ کے مطابق ’’جہنم کو خوش نما چیزوں اور خواہشات سے گھیر دیا گیا ہے جبکہ جنت کو ناپسندیدہ اور تکلیف دہ چیزوں سے گھیر دیا گیا ہے۔‘‘ لہٰذا دنیا کے اِس سفر میں اگر خواہشات کے پیچھے لگے رہے تو پھر جنت کا حصول مشکل ہوتا چلا جائے گا۔ اِس لیے جہاں آغاز میں اردو محاورے ’’سفر وسیلۂ ظفر‘‘ کا ذکر کیا گیا تھا‘ اختتام پر عربی محاورے ’’اَلسَّفَرُ قِطْعَةٌ مِنَ النَّار‘‘ کو سامنے رکھتے ہوئے دنیا کی زندگی دجّال کی تیار کردہ دوزخ میں گزارنے کا فیصلہ کرلیں تو آخرت میں امید ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا فضل شاملِ حال ہوجائے گا اور ان الفاظ سے استقبال کیا جائے گا: ﴿اُدْخُلُوْهَا بِسَلٰمٍ اٰمِنِيْنَ ﴿٤٦﴾﴾

❁❁❁

ایک مسلمان سے دین کے تین اہم تقاضے

مُطالباتِ دین

- عبادتِ رب
- فریضہ شہادت علی الناس
- فریضہ اقامتِ دین

ڈاکٹر اسرار احمد رحمہ اللہ

صفحات: 120 قیمت: 90 روپے

فتنۂ دجّال اور پیش آمدہ چیلنجز (۳)

آصف حمید

دجّال‘ دجّالیت اور فِتنةُ النِّساء

جیسا کہ گزشتہ قسط میں بیان کیا گیا تھا کہ دجّال اور دجّالیت کا خصوصی تعلق ٹیکنالوجی سے ہے جس کے بل بوتے پر آج واقعی دجّالیت نے پوری دنیا کو اپنے نظام میں جکڑ لیا ہے اور مستقبل میں اسے مزید جکڑنے جا رہی ہے۔ دجّال اور دجّالیت کا کچھ ایسا ہی معاملہ فتنة النساء سے متعلق ہے۔ اس فتنہ کے حوالے سے بھی دجّالیت نے اپنی گرفت پوری دنیا پر مزید مضبوط کر لی ہے۔ دجّالیت کے اس عفریت نے عورت کو استعمال کر کے اتنی ہی عظیم کامیابیاں حاصل کی ہیں جتنی وہ ٹیکنالوجی کے بل بوتے پر حاصل کر رہا ہے اور ابھی وہ مزید کامیابیاں حاصل کرے گا۔ حدیث مبارکہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ((مَا تَرَكْتُ بَعْدِي فِتْنَةً أَضَرَّ عَلَى الرِّجَالِ مِنَ النِّسَاءِ)) (صحیح البخاری‘ ح:۵۰۹۶ وصحیح مسلم‘ ح:۲۷۴۰) ”میں اپنے بعد مَردوں کے لیے عورتوں سے بڑھ کر کوئی فتنہ چھوڑ کر نہیں جا رہا۔“ غور طلب بات یہ ہے کہ شیطان کا اصل مشن کیا ہے‘ ہم گزشتہ شمارے میں پڑھ آئے ہیں: ﴿لَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۸۲﴾﴾ (صٓ) ”میں ان سب کو گمراہ کر کے رہوں گا۔“ ابلیس نے اپنے مقاصد کی تکمیل کے لیے عورت کو بھی استعمال کیا ہے اور اس کو انسانی حقوق‘ حقوقِ نسواں اور آزادیٔ نسواں (Woman Lib) کے دلفریب نعروں کا جھانسہ دے کر گھر کی چار دیواری اور اپنے محرم کی حفاظت سے نکال کر بازاروں اور دفاتر کی زینت بنا کر بے رحم معاشرے کے حوالے کر دیا ہے جس کی درندگی کا شکار بہت سے خواتین ہوتی ہیں‘ اور بچتی صرف وہ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ کا خصوصی فضل و کرم ہوتا ہے اور جو اپنی حدود میں رہتی ہیں۔

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ((فَأَوَّلُ مَن يَتَّبِعُه النِّساءُ)) ”(جب دجّال نکلے گا) تو سب سے پہلے عورتیں اس کی پیروی کریں گی۔“ ایک اور حدیث میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

”دجّال کی طرف سب سے زیادہ عورتیں جائیں گی‘ یہاں تک کہ آدمی اپنے گھر میں اپنی ماں‘ بہن‘ بیٹی اور بیوی کو اس ڈر سے باندھ کر رکھے گا کہ کہیں یہ دجّال کی طرف نہ چلی جائیں۔“ (رواهما الطبراني في الأوسط ورجالهما رجال الصحيح)۔ اگر ہم حقیقت کی نظر سے دیکھیں تو معلوم ہوگا کہ شیطان اور دجّالی قوتوں نے اس بات کا بڑی گہرائی کے ساتھ ادراک کیا ہے اور آج معاشرے میں عریانی اور فحاشی کا جو بازار گرم ہے‘ اس میں جس صنف کو استعمال کیا گیا ہے وہ عورت ہے۔ انہوں نے عورت کو بااختیار بنانے کا پُرفریب نعرہ لگا کر اسلام کے بارے میں یہ غلط فہمی عام کر دی ہے کہ اسلام عورت کو چادر اور چار دیواری میں مقید کرنا چاہتا ہے‘ اسلام نے عورتوں کو عضوِ معطل اور آدھی آبادی کو مفلوج بنا دیا ہے‘ جبکہ عورت کو مَرد کے شانہ بہ شانہ کام کرنا چاہیے۔ تمام دنیا میں عورتوں کو مَردوں کے برابر حصہ اور حقوق ملنے چاہئیں۔ عصرِ حاضر میں یہی نعرہ دجّالی و شیطانی مشن میں سب سے بڑا اور مؤثر ہتھیار بن کر سامنے آیا ہے۔

دجّالی و شیطانی لابی نے معاشرے کو اپنے رنگ میں ڈھالنے کے لیے بڑی شاطرانہ چالیں چلی ہیں۔ پہلے آزادی و مساوات کے نام پر عورتوں کو گھر سے باہر نکالا اور پھر فیشن کے نام پر جسمانی خدوخال اور زیب و زینت کو نمایاں کرنے والے لباسوں سے تمام بازاروں کو بھر دیا۔ پھر اس میں رنگ آمیزی کے لیے کاسمیٹکس کا سیلاب لایا گیا اور آخر کار عورت کو نیم برہنہ کر کے بیچ بازار میں کھڑا کر دیا گیا۔ پھر دیکھتے ہی دیکھتے آوارگی ثقافت بن گئی اور عریانیت کو تہذیب کی آغوش میں پناہ مل گئی۔ مزید برآں اس دجّالی تہذیب کو فروغ دینے اور اس کی تشہیر کرنے کے لیے میڈیا اور دوسرے ذرائع کو استعمال کیا گیا ہے۔ پہلے خبرناموں اور انفارمیشن کے خوشنما راستوں کے ذریعے ہر گھر میں ٹی وی اور فلم بینی کو فروغ دیا گیا اور پھر اس کے ذریعے ہر گھر کو دجّالی و شیطانی تہذیب کا گڑھ بنا دیا گیا۔ مغرب کی امداد پر چلنے والی این جی اوز‘ مغرب سے مرعوب اور مراعات یافتہ ٹی وی چینلز کے مالکوں اور دجّالی ایجنٹوں کے فریب خوردہ دانشوروں اور نام نہاد ترقی پسندوں نے عورتوں کو ان کی مظلومیت کے جھوٹے غم کی آڑ میں آزادی کی فریب زدہ زندگی کے خواب دکھانے شروع کر دیے۔ اور ایسا فلسفہ تخلیق کیا کہ جس کے تحت عورت ہمیشہ سے مظلوم اور مَرد ظالم رہا ہے‘ لہٰذا مَرد کے ظلم سے نجات دلانے کے لیے عورت کو مَرد سے آزاد کر دیا جائے‘ تا کہ وہ اپنی مرضی کے فیصلے کر سکے اور اپنی مرضی کی زندگی گزار سکے۔ اس فلسفے نے

آگے بڑھ کر ’’میرا جسم میری مرضی‘‘ کا پُرفریب نعرہ اختیار کیا اور یوں ہر میدان میں عورتیں مَردوں کے شانہ بشانہ نظر آنے لگیں۔ ستم بالائے ستم یہ کہ اس سادہ لوح عورت کو معلوم ہی نہیں ہے کہ اس دجالی تہذیب نے سب سے زیادہ اگر کسی کو نقصان پہنچایا ہے تو وہ خود عورت ہی ہے۔

سابقہ ادوار میں عورتوں پر ظلم کا معاملہ انفرادی ہوتا تھا یا زیادہ سے زیادہ کسی مخصوص معاشرے کا حصّہ ہوتا تھا‘ لیکن آج شیطانی و دجالی معاشرہ عالمی سطح پر پوری دنیا کی عورتوں پر ظلم کر رہا ہے اور اس ضمن میں سب سے حیران کن بات یہ ہے کہ عورتیں خود اپنے اس استحصال کو ترقی سمجھ رہی ہیں کیونکہ دجالی و شیطانی سحر نے ان سب کو اپنے جال میں پھانس رکھا ہے۔ مخلوط تعلیم اور مخلوط ماحول میں نوکریاں اور کاروبار کرنا معیارِ فضیلت بن چکا ہے اور اس کے اوّلین نتیجہ کے طور پر خاندانی نظام بداعتمادی کا شکار ہو چکا ہے۔ غیر شرعی تعلقات کی وجہ سے شرح طلاق بڑھتی جا رہی ہے۔ عورت تنہا ہوتی جا رہی ہے اور بے رحم معاشرہ اس کو اس کے گھر سے نکال کر بازار کی زینت بنانا چاہتا ہے۔ مغرب کی طرح ’’Single Parent‘‘ کا رجحان بڑھنے لگا ہے۔ عورت ماں بھی ہے اور باپ بھی‘ یعنی علیحدگی کے بعد عورت گھر میں ماں بن کر بچوں کو پال بھی رہی ہے اور بحیثیت باپ باہر جا کر نوکریاں یا کاروبار بھی کر رہی ہے تاکہ گھر کا نظام چلا سکے۔ ایسے ماحول میں پلنے والے بچوں کا بھی اللہ ہی حافظ ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ درج بالا حدیث کا مصداق یہ زمانہ ہے اور دجال کی طرف جانے سے مراد اللہ اور اُس کے حبیب ﷺ کے احکامات کو پس پشت ڈال کر معاشرے کے چال چلن کو اختیار کرنا ہے۔ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکامات کی سراسر نافرمانی کر کے جدید تہذیب کے زیرِ اثر ستر و حجاب کے احکامات اور مخلوط ماحول میں نامحرم مَردوں کے ساتھ بے تکلف ماحول میں پڑھنا یا نوکری کرنا دجالیت کی پیروی کرنا نہیں تو اور کیا ہے؟

اب تو ایک ٹرینڈ بن چکا ہے کہ بچیوں کو ایسی تعلیم دلائی جائے کہ وہ کمائی کر سکیں۔ گویا شروع ہی سے گھر سے باہر نکلنے کی پلاننگ دماغ میں ڈال دی جاتی ہے۔ میڈیکل خصوصاً گائنی کی تعلیم کی حد تک تو ٹھیک ہے‘ بلکہ بہت بہتر ہے کہ بچیاں یہ تعلیم حاصل کریں تاکہ زچگی کے معاملات آسانی سے ڈیل کر سکیں۔ مزید برآں تدریس کے لیے بھی مناسب ہے کہ پرائمری جماعت تک خواتین ہی اساتذہ ہوں۔ لیکن اس کے علاوہ ٹیکنیکل خصوصاً آئی ٹی اور مینجمنٹ وغیرہ

میں ایسے مواقع بہت کم بلکہ نہ ہونے کے برابر ہیں کہ خواتین کو کام کرنے کے لیے سازگار ماحول مل سکے۔ معاشی حوالے سے بات کی جائے تو عورت پر اگرچہ شریعت نے معاش کی ذمہ داری نہیں ڈالی‘ تاہم ضرورت پڑنے پر بحالت مجبوری وہ کام کر سکتی ہے۔ اس کے لیے شرط یہی ہے کہ وہ اللہ کی بندی شریعت کے دائرے میں رہتے ہوئے اپنا کام کرے۔

الغرض دجال اور اس کے نظام نے مَردوں کو تو مکمل لباس پہنا دیا اور عورتوں کے لیے لباس کو کم سے کم تر کر دیا۔ مغربی معاشرے میں دیکھیں تو مَرد کا آفیشل لباس پینٹ کوٹ ہے۔ شرٹ کے کالر بھی بند اور اوپر سے ٹائی‘ پیروں میں جرابیں اور بند بوٹ‘ گویا مکمل طور پر ’’مستور‘‘! اس کے برعکس عورت کا لباس اسکرٹ یا منی اسکرٹ‘ جس میں گریبان کھلا‘ ٹانگیں ٹائٹس کے ساتھ یا نصف اور اس سے زیادہ ننگی‘ کپڑے جالی دار کہ جسم نظر آئے۔ یہ کس قدر بے تکی ترتیب ہے۔ مغربی معاشرے نے عورت کو اس طرح بے لباس کر دیا ہے کہ وہ خوشی خوشی اس کو اختیار کرتی ہے۔ اب تو وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ کپڑے مزید تنگ اور کم ہو رہے ہیں۔ افسوس کی بات یہ ہے کہ دین سے دوری کی بنیاد پر مسلمان خواتین بھی رفتہ رفتہ اسی شیطانی فیشن کا شکار ہونے لگی ہیں۔ آج تنگ لباسی تو اس قدر عام ہو گئی ہے کہ معلوم ہوتا ہے کہ کھلے لباس سلنے ہی بند ہو گئے ہیں۔ کیا وہ حضرت ابوہریرہ ؓ کی بیان کردہ اس حدیث کو بھول گئی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ’’دو ایسے جہنمی گروہ جنہیں مَیں نے ابھی تک نہیں دیکھا: ایک تو وہ (ظالم) لوگ جن کے ہاتھوں میں گائے کی دم جیسے کوڑے ہوں گے اور ان سے وہ لوگوں کو ماریں گے۔ دوسری وہ عورتیں جو کپڑے پہن کر بھی ننگی نظر آئیں گی۔ لوگوں کو اپنی طرف مائل کرنے والی اور خود بھی لوگوں کی طرف مائل ہونے والی۔ ان کے سر (کے بال) بختی اونٹوں کے کوہانوں کی مانند ایک جانب کو ڈھلکے ہوئے ہوں گے۔ یہ نہ جنت میں داخل ہوں گی اور نہ اس کی خوشبو پا سکیں گی‘ حالانکہ جنت کی خوشبو اتنی (دور کی) مسافت سے آ رہی ہوگی۔‘‘ (صحیح مسلم‘ کتاب اللباس والزینۃ‘ ح:۲۱۲۸)۔

عورتوں کا اصل میدانِ عمل اور ذمہ داری کا مرکز ان کا اپنا گھر تھا۔ ان کا فرضِ منصبی یہ تھا کہ وہ اپنے بچوں کی نیک اور اعلیٰ اقدار پر تربیت کریں‘ ان کو اچھے اخلاق و آداب سے آراستہ کریں اور ان کو دینی فرائض کا حامل اور پاسبان بنائیں۔ یہ کوئی معمولی ذمہ داری نہیں تھی‘ بلکہ

کردار سازی اور اخلاقیات کے لحاظ سے اس سے بڑا اور کوئی کام ہو ہی نہیں سکتا تھا۔ عورتوں کی سب سے بڑی ذمہ داری ہی یہ تھی کہ وہ اپنے آپ کو اپنے گھر کے لیے وقف کر دیں اور اپنے بچوں کی اعلیٰ اخلاقی اصولوں پر تربیت کریں اور انہیں اقدارِ عالیہ اور کردارِ لامعہ سے سرفراز کر کے معاشرے کا ایک مثالی انسان بنائیں۔ عورتوں کو گھر کی چار دیواری تک محدود رکھنے کا مطلب ان کو مفلوج بنانا نہیں تھا' بلکہ ان کو سب سے زیادہ متحرک رکھنا تھا' تاکہ وہ فکرِ معاش سے آزاد ہو کر معاشرے کے لیے بہترین افراد تیار کر سکیں۔ افسوس کہ وہ اپنے یہ تمام فرائض بھول کر جس میدان میں کود پڑیں اس نے ملک و قوم کا جنازہ نکال کر رکھ دیا۔ ان کی کوتاہیوں اور بدترین غفلت کے نتیجے میں بچے آوارگی کا نمونہ بن گئے۔ پوری دنیا میں فحاشی پھیل گئی۔ اس کے ساتھ جیسے ہی دولت کی ریل پیل ہوئی تو اخلاقیات کا دیوالیہ ہو گیا۔ دنیا کی زیب و زینت بڑھی تو انسانیت ختم ہو گئی اور آج پوری دنیا مکر و فریب اور دکھاوے کی آماج گاہ بن چکی ہے۔ ہر طرف ظلم و جبر کا سماں ہے۔ زنا بالجبر کی بجائے زنا بالرضا عام ہو چکا ہے۔ تہذیب و اخلاق ماتم کناں ہیں۔

ان سب جرائم کی ذمہ داری خواتین اور ان کو گھروں سے نکالنے اور انہیں اپنے فرائضِ منصبی سے ہٹانے والوں پر عائد ہوتی ہے۔ ذرا سوچیں کہ اس کا ذمہ دار کیا یہ مغرب کے طرزِ بود و باش کی مارکیٹنگ کرنے والا میڈیا نہیں ہے جو پہلے صرف پرنٹ میڈیا ہوا کرتا تھا' پھر الیکٹرانک اور اب سوشل میڈیا تک پھیل چکا ہے؟ اور مرد و خواتین آنکھیں بند کر کے اس کو اختیار کرنے میں ایک دوسرے سے مقابلہ کر رہے ہیں۔ کون کتنا ماڈرن ہو گیا ہے؟ کون اپنے طرزِ کلام اور طرزِ زندگی میں مغرب کو کتنا کاپی کر رہا ہے؟ اب تو بات ماڈرن سے آگے بڑھ کر الٹرا ماڈرن کی طرف جا رہی ہے۔ اسلام پر تنقید اس ماڈرن طبقے کی گفتگو کا اولین موضوع بن چکا ہے۔ دین کے فرائض پر عمل کرنا تو دور کی بات ہے! ٹیکنالوجی نے آج ایسے غیر مرئی نیٹ ورکس بنا دیے ہیں کہ اب گھروں کی پرائیویسی' گھروں کی شرم و حیا باہر جانے لگی ہے اور باہر کا گند' بے حیائی' عریانی اور فحاشی گھروں میں آنے لگی ہے۔

اب آتے ہیں اس طرف کہ وہ عورتیں جن کا ذکر درج بالا حدیث مبارکہ میں کیا گیا کہ وہ دجّال کے ساتھ ہوں گی' ان کے اثرات مردوں پر کیا ہو سکتے ہیں۔ بے حیائی اور بے پردگی کا اصل ٹارگٹ کون ہے؟ مرد اور اس کا اخلاق! مسلم معاشرے میں ہم کہیں گے کہ مسلمان مرد اور

اُس کا ایمان! بس یہی وہ مشن ہے جس پر شیطان اور اُس کی ذریتِ جن و انس شب و روز کی محنتیں کر رہی ہے۔ انسانوں کو اللہ سے دور کرنا اور شیطان کے راستے پر چلانا' یہی دجالی ایجنڈا ہے۔

دورِ جدید میں دجّالیت کا اہم ترین ہتھیار: سمارٹ فون

دورِ جدید میں دجّالیت نے پوری دنیا کو سود پر مبنی معاشی نظام' مغربی جمہوریت کے نام پر سیاسی نظام' بے حیائی' عریانی اور فحاشی کی بنیاد پر معاشرتی نظام دینے کے بعد پچھلے تقریباً دس پندرہ سال سے ہر شخص کو فرداً فرداً اپنے کنٹرول میں کرنے کا منصوبہ بنایا ہے اور اس کے لیے جو آلہ دیا گیا ہے اُس کا نام سمارٹ فون ہے۔ جو صرف سمارٹ نہیں ہے بلکہ ''ویری سمارٹ'' فون ہے۔ اور آئے دن اُس کے اندر اُس کی استعدادات میں ہوشربا اضافہ ہو رہا ہے۔ یہ ایسا آلہ ہے جو آپ کی تمام معلومات تک ''کسی'' کو رسائی دے سکتا ہے۔ جس انسان کے بارے میں جتنی زیادہ معلومات حاصل ہوں گی' اس کو سمجھنا اور کنٹرول کرنا اور اس کو اپنے مقاصد کے لیے استعمال کرنا اتنا ہی آسان ہو جائے گا۔ یہ ایسی حقیقت ہے کہ جس سے کوئی انکار نہیں کر سکتا۔

آپ نے دیکھا ہوگا کہ دو تین دوست بیٹھ کر کسی موضوع پر بات کر رہے ہوتے ہیں تو اُسی چیز کا اشتہار یا اسی چیز کے بارے میں معلومات آپ کے سمارٹ موبائل فون یا سوشل میڈیا پر فوراً نظر آنا شروع ہو جاتی ہیں۔ آپ کسی جگہ پر جاتے ہوئے کہیں زیادہ دیر رکیں گے تو فوراً ایک میسج آتا ہے کہ فلاں جگہ پر آپ رُکے تھے تو اس جگہ کے بارے میں معلومات دیں کہ آپ نے اس کو کیسا پایا؟ گویا آپ کے سفر کی معلومات کہیں پہنچ رہی ہیں۔ اسی طرح آپ آج کتنے قدم چلے ہیں۔ ہم بڑے خوش ہوتے ہیں دیکھو میں آج چار ہزار یا پانچ ہزار قدم چلا۔ دیکھو کس قدر زبردست آلہ ہے کہ جو میری صحت کے بارے میں معلومات دے رہا ہے۔ اسی طرح کچھ ایپلیکیشنز ایسی بھی ہیں جو آپ کا بلڈ پریشر' آکسیجن سیچوریشن اور دیگر معلومات بھی دے سکتی ہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ وہ معلومات پہلے لے رہا ہوتا ہے' پھر ان معلومات کو پراسیس کر کے آپ کو بھی کچھ معلومات دے دیتا ہے۔ یہ سب کی سب معلومات بڑے ہی خوبصورت انداز میں اُس ویری سمارٹ فون کے ذریعے کہیں اور جمع ہو رہی ہیں۔ میرے خیال میں اس بارے میں مزید بات کرنے کے لیے ضرورت اس لیے نہیں کہ جو بھی سمارٹ فون استعمال کر رہا ہے' وہ اُس سے بخوبی واقف ہے۔

کچھ دن پہلے واٹس ایپ نے اعلان کیا تھا کہ ہم کچھ اور چیزیں بھی اب آپ سے حاصل کریں گے۔ جیسے مارکیٹنگ کے حوالے سے‘ کچھ بزنس پوائنٹ آف ویو سے ہم آپ سے معلومات لیں گے۔ کچھ ’’اہلِ ایمان‘‘ نے اپنے موبائل فونز سے فوری طور پر واٹس ایپ کو ختم کر دیا‘ لیکن پھر کچھ عرصہ کے بعد رجوع کر لیا۔ ان کو خوف یہ ہوا کہ پتہ نہیں واٹس ایپ ہم سے کیا کیا معلومات لے گا۔ ارے بھائی! وہ بہت کچھ معلومات لے چکا‘ ہمیں تو پتہ ہی نہیں۔ فیس بک کیا کچھ لے چکا ہمیں اس کا اندازہ نہیں۔ ہماری شخصیت کا مکمل خاکہ اِس دنیا میں کہیں پر اعمال نامے کی صورت میں بن رہا ہے۔ مَیں کس پوسٹ پر کتنی دیر رُکا ہوں وہ مَیں جانتا ہوں یا میرا ربّ جانتا ہے۔ اُس کے بعد کون جانتا ہے؟ یہ سب چیزیں محفوظ ہو رہی ہیں۔ یہ بات ذہن میں رکھیے گا کہ ہم جو ڈیجیٹل کام کر رہے ہیں اس میں سے کوئی چیز رائیگاں نہیں جا رہی۔ یہ تو سنا کرتے تھے نا کہ نیکیاں رائیگاں نہیں جائیں گی اور ظاہر بات ہے ہمارا ایمان ہے کہ کراماً کاتبین لکھ رہے ہیں۔ آج ہم اپنے سامنے دیکھ رہے ہیں کہ ایک سمارٹ فون ہے جو بہت ساری معلومات اپنے اندر سمو چکا ہے اور مسلسل سموتا چلا جا رہا ہے۔ یہ بات بھی ذہن نشین رہے کہ سمارٹ فون جو معلومات دوسروں کو بھیج سکتا ہے اس میں فون میں محفوظ آواز‘ وڈیوز‘ تصاویر اور دیگر ڈیٹا ہی نہیں بلکہ بند یا سٹینڈ بائی موڈ میں لائیو آواز اور وڈیو بھی شامل ہیں۔ اسی طرح سمارٹ فون استعمال کرنے والے کی لائیو لوکیشن تو ہر وقت کہیں شیئر ہو ہی رہی ہوتی ہے۔

ان معلومات تک رسائی موبائل کے سافٹ ویئر بنانے والوں سے لے کر ہیکرز‘ ٹیلی کام کمپنیز‘ فون بنانے والی کمپنیز‘ آپریٹنگ سسٹم بنانے والی کمپنیز‘ مختلف ممالک کی سیکیورٹی اور سپائنگ ایجنسیز سب کو حاصل ہے۔ ایک عام سا ہیکر بھی کچھ معلومات بڑی آسانی سے حاصل کر سکتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ تالے چوروں کے لیے نہیں ہوتے‘ اسی طرح موبائل فون کی پرائیویسی/سیکیورٹی مندرجہ بالا اداروں اور کمپنیز کے آگے کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔ آپ نے نوٹ کیا ہوگا کہ موبائل فون کے کیمرے موبائل فون کے دونوں طرف ہوتے ہیں۔ آپ پچھلے کیمرے کو تو کور لگا کر بند کر سکتے ہیں لیکن فرنٹ کیمرے کو کس طرح بند کریں گے۔ اس کو اتنا چھوٹا اور ایسی جگہ پر بنایا گیا ہے کہ آپ اس کو آسانی سے بند بھی نہیں کر سکتے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ’’ان کو‘‘ اصل معلومات تو اس فون کے مالک کی درکار ہیں نہ کہ دوسروں کی۔ مزید برآں فون کا

مائیک آپ بند کر ہی نہیں سکتے! گویا یہ بات اب ہر سمارٹ فون رکھنے والے کو ذہن میں رکھ لینی چاہیے کہ اس فون کے ہوتے ہوئے ان کی کوئی پرائیویسی محفوظ نہیں۔

ابھی تو بزنس اور مارکیٹنگ کے نام پر سمارٹ فون کی ایپلیکیشنز ہم سے ہمارا ڈیٹا لے رہی ہیں اور ہم بھی ان ایپلیکیشنز کو حاصل کرنے کی لگن میں بڑے ذوق وشوق سے یہ ڈیٹا فراہم کر رہے ہیں۔ لیکن آپ یہ سوچیں جب وہ ان تمام معلومات کی بنیاد پر یہ سب جان گئے کہ میری شخصیت کیا ہے‘ میری پسند اور ناپسند کیا ہے‘ میرے دوست کون ہیں‘ میرے خیالات کیا ہیں‘ میرے جانے کے مقامات واوقات کیا ہیں تو مجھے ہینڈل کرنا ان کے لیے کس قدر آسان ہوگا؟ اور اللہ کی توفیق سے اگر مَیں دجال اور اس کے نظام کے مقابلے پر کھڑا ہوں گا تو اُن کو پتہ ہوگا کہ اس کو کنٹرول کیسے کرنا ہے‘ اِس کو اپنی موت کیسے مارنا ہے۔ وہ میرے خفیہ کو بھی جانتے ہیں اور میرے اعلانیہ کو بھی۔ میری براؤزنگ کی وجہ سے مَیں جو سوچتا ہوں اُس کو بھی جاننے لگ گئے ہیں۔ سب کا سب ڈیٹا اکٹھا ہو رہا ہے۔ مثال کے طور پر اگر ایک بچے کے بارے میں آپ کو پتہ ہو کہ یہ بچہ فلاں چیز سے خوش ہو جائے گا اور آپ کی بات مان لے گا‘ تو آپ اسے وہ چیز لا کر دے دیں گے جس سے وہ مان جائے۔ بہت سادہ سی بات ہے‘ اُن کو پتہ ہے کہ فلاں بندے کا یہ پروفائل ہے اور اس کو ہم کیسے ہینڈل کریں گے کہ یہ ہمارا مخالف نہ بنے۔

سمارٹ فون کے حوالے سے مَیں تو کہتا ہوں کہ ہم اپنے ہاتھوں میں ایک جاسوس لیے پھر رہے ہیں۔ مَیں نے دو سال قبل تنظیم اسلامی کے سالانہ اجتماع میں کہا تھا کہ خوش نصیب لوگ وہ ہیں جو سمارٹ فون استعمال نہیں کرتے۔ یہ بات مَیں نے دو لحاظ سے کہی تھی۔ اوّلاً یہ کہ ان کی شخصیت کا ورچوول ہیولا موجود نہیں‘ جس کی بنیاد پر ٹیکنالوجی اس شخص کی معلومات پر ایک حد سے زیادہ دسترس نہیں رکھتی۔ اور ثانیاً یہ کہ سمارٹ فون کی بدولت بے حیائی‘ عریانی اور فحاشی کے سیلاب سے وہ شخص محفوظ ہے۔ اس لحاظ سے قیامت کے دن معلوم ہوگا کہ ایسے لوگ کتنے خوش نصیب ہیں۔ (جاری ہے)

قرآن حکیم کی مقدس آیات اور احادیث نبویؐ آپ کی دینی معلومات میں اضافے اور دعوت وتبلیغ کے لیے شائع کی جاتی ہیں۔ ان کا احترام آپ پر فرض ہے۔ لہٰذا جن صفحات پر یہ آیات درج ہیں ان کو صحیح اسلامی طریقے کے مطابق بے حرمتی سے محفوظ رکھیں۔

اللہ تعالیٰ نے ایک بار پھر موقع فراہم کیا اور وفاقی شرعی عدالت نے ۲۸/اپریل ۲۰۲۲ء کو سود کے خلاف فیصلہ سناتے ہوئے انٹرسٹ ایکٹ ۱۸۳۹ء اور سود سے متعلق تمام شقوں کو یکم جون ۲۰۲۲ء سے غیر مؤثر قرار دے دیا اور حکومت کو ۳۱ دسمبر ۲۰۲۲ء تک متبادل قوانین لانے اور ۲۰۲۷ء تک پاکستان کے معاشی نظام کو مکمل طور پر سود سے پاک کرنے کا حکم نامہ جاری کیا۔ لیکن یہ پانچواں موقع بھی ضائع کرتے ہوئے حکمرانوں اور اشرافیہ نے اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کے ساتھ جنگ جاری رکھنے کا اعلان کیا اور سٹیٹ بینک کی قیادت میں چند دیگر پرائیویٹ بینکوں نے وفاقی شرعی عدالت کے فیصلے کو سپریم کورٹ میں چیلنج کر دیا۔ حکومتِ وقت کو تو فوری طور پر اس کی سزا مل چکی ہے‘ لیکن اس کے ساتھ ہی ساتھ قوم پر مہنگائی کی صورت میں جو عذاب نازل ہو رہا تھا اس میں بھی ایک دم شدّت آ چکی ہے۔ اور صرف چند روز میں ڈالر کی قیمت بڑھ کر ۲۲۸ روپے تک پہنچ چکی ہے جو مہنگائی کے ایک اور عذاب کا اعلان ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ پاکستان میں بیرونی قوتوں کی مداخلت بھی حد درجہ سے بڑھ کر قومی سلامتی اور خود مختاری کو خطرے میں ڈالتی ہوئی نظر آ رہی ہے۔

اسلام کے نام پر بننے والا ملک جس کا مقصد قیامِ اسلام کے نظام کا حقیقی اور روشن چہرہ دنیا کو دکھانا تھا‘ آج خود باطل قوتوں کے رحم و کرم پر ہے۔ یہاں تک کہ اب پاکستانی قوم نہ چاہتے ہوئے بھی امریکہ اور آئی ایم ایف کی معاشی اور سیاسی غلام بن چکی ہے۔ یہ سب اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کے ساتھ جاری اعلانیہ جنگ ہی کا نتیجہ ہے۔ ہمارے حکمرانوں اور اشرافیہ کو اب بھی سمجھ جانا چاہیے کہ وہ اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کے ساتھ اس جنگ کو جاری رکھ کر قطعاً فائدے میں نہیں رہیں گے اور نہ ہی ملک و قوم کو اس جنگ میں کوئی فائدہ پہنچا ہے۔ لہٰذا حکمرانوں کو چاہیے کہ وہ وفاقی شرعی عدالت کے فیصلے کے خلاف اپیلیں واپس لے کر اس جنگ کو ختم کرنے کا اعلان ابھی سے کر دیں‘ جب کہ عوام کو چاہیے کہ وہ وفاقی شرعی عدالت کے فیصلے کے حق میں اُٹھ کھڑے ہوں اور ایسی زوردار تحریک چلائیں کہ حکمران اس جنگ کو ختم کرنے پر مجبور ہو جائیں۔ اس طرح ممکن ہے اللہ تعالیٰ ہمارے گناہوں کو معاف کر دے اور ہمارے سروں پر سے عذاب کو ٹال دے۔ لیکن اگر حکمران ابھی بھی سرکشی سے باز نہ آئے اور نہ ہی عوام جاگے تو پھر اللہ کے شدید عذاب سے بچنا اب ناممکن ہے۔ ❁❁❁

سانحۂ کربلا
شہیدِ مظلوم رضی اللہ عنہ

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی عزیمت و عظمت کی صحیح تصویر

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے مناقب اور آپ کی مظلومانہ شہادت کے بیان پر جامع تالیف

- یہود نے عہدِ صدیقیؓ میں جس سازش کا بیج بویا تھا‘ آتش پرستانِ فارس کے جوشِ انتقام نے اسے تناور درخت بنا دیا تھا۔
- وہ آج بھی قاتلِ خلیفۂ ثانیؓ ابولولو فیروز مجوسی کی قبر کو متبرک سمجھتے ہیں۔
- علی مرتضیٰؓ کی طرح حضرت حسینؓ بھی قاتلینِ عثمانؓ کی سازش کا شکار ہوئے۔
- سید الشہداء کون ہیں اور شہیدِ مظلوم کون؟ تاریخی حقائق کو سمجھنے کے لئے

بانیٔ تنظیمِ اسلامی
محترم ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ
کی دو جامع اور مختصر مگر عام فہم اور محققانہ تاریخی کتابوں
کا مطالعہ کیجئے

دونوں کتابوں کے سیٹ کی مجموعی قیمت
اشاعت خاص: 110 روپے اشاعت عام: 70 روپے
(علاوہ ڈاک خرچ)

مکتبہ خدام القرآن لاہور
36۔کے ماڈل ٹاؤن لاہور فون: 3-35869501
email:maktaba@tanzeem.org

Aug. 2022
Vol.71

Regd. CPL No.115
No.8
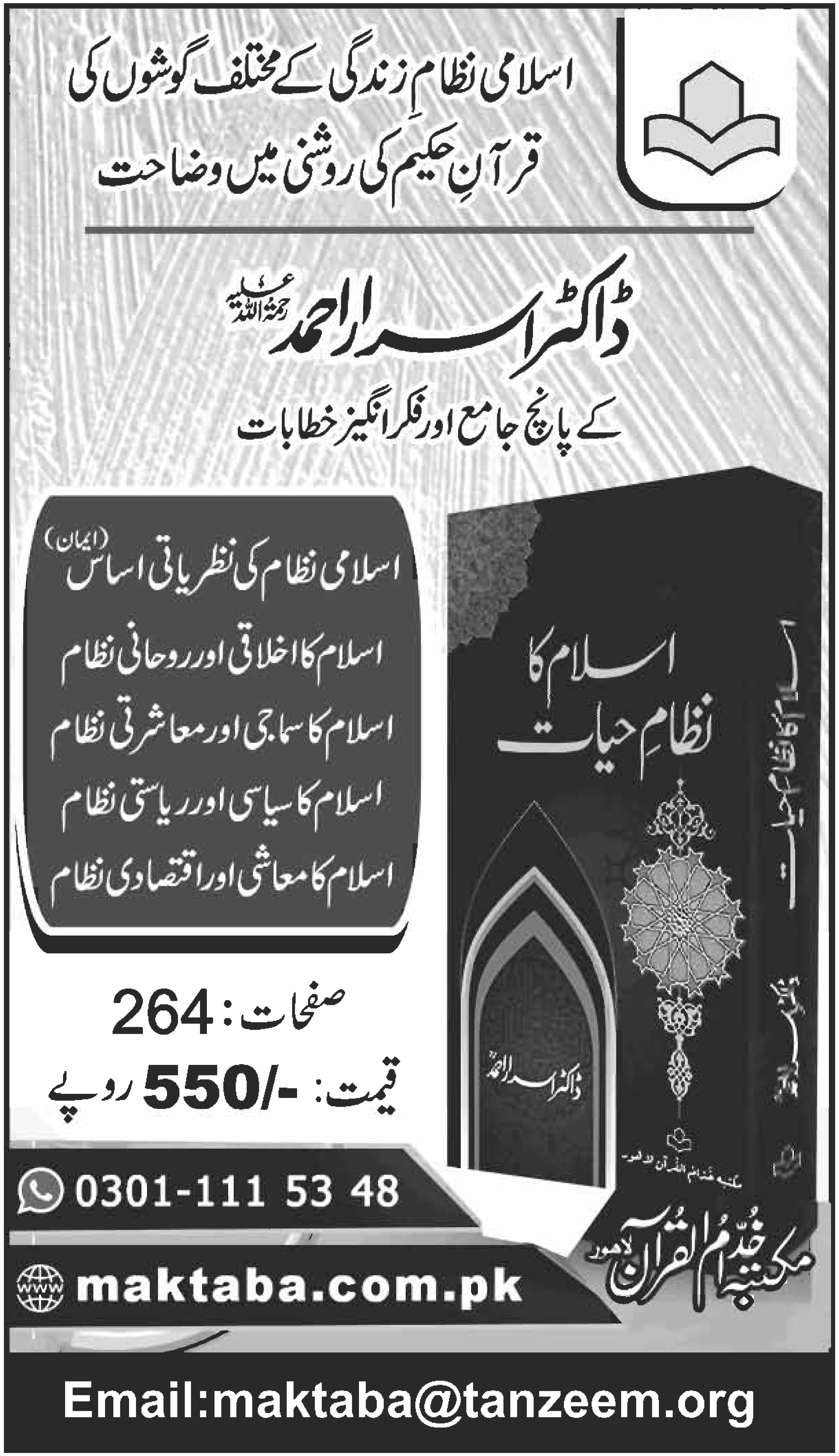
Monthly **Meesaq** Lahore